جلد ۹۱ مئی ۱۹۷۹ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

ابو الاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اِدارہ ترجمان القرآن کی نئی پیشکش

جناب محمد صلاح الدین صاحب مدیر "جسارت"

کے قلم سے

بُنیادی حقوق

پیش لفظ

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

حرفِ آغاز

محمد صلاح الدین

○

کاغذ ولائتی — طباعت آفسٹ — کور خوبصورت

سائز ۱۸×۲۲/۸

○

قیمت: بیس ۲۰ روپے

○

اِدارہ ترجمان القرآن، اِچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۱ | مئی ۱۹۷۹ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ | عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ۔ لاہور

فون نمبر —— ۴۱۱۰۱۶ —— ۴۱۱۰۱۷

زر سالانہ بیس روپے۔ فی پرچہ ۲/- روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

عالمِ انسانیت کے در و بست میں جب بھی ردّ و بدل ہوتا ہے اور تاریخ کے آسمان پر ستاروں کی گردش جب بھی تیز ہوتی ہے، صرف فرماں روائے کائنات کا تقدیر ساز ہاتھ ہی ایام کے چرخے کو گھما رہا ہوتا ہے اور وہی تختۂ زمان و مکان کے مختلف خانوں میں اپنے ہاتھ سے رکھے ہوئے مہروں کو آگے اور پیچھے حرکت دیتا رہتا ہے۔ بلاشبہ وہ انسانی اعمال پر پوری نگاہ رکھتا ہے اور ان کے نتائج پیدا کرتا ہے، مگر چاہے تو وہ ساری انسانی مساعی سے بے نیاز ہو کر بھی فیصلے کر سکتا ہے تاہم وہ اپنی ہی مقرر کردہ سنّت کے تحت حکمت، عدل اور رحمت سے کام لے کر کبھی بادشاہ اور وزیر کہلانے والے عالی شان مہروں کو، بظاہر نگاہِ حقارت سے دیکھے جانے والے پیادوں سے پٹوا دیتا ہے۔ اور کبھی شر و فساد کی بڑی بڑی ڈراؤنی قوتوں کی جبر کیشیوں اور سازش کاریوں کی زد سے چھوٹی چھوٹی قوموں کو بچا نکالتا ہے اور ان سے وہ کام لیتا ہے کہ عظیم قوتیں ہونٹ کاٹتی رہ جاتی ہیں۔

ایسے ہی کرشمہ ہائے خداوندی کا مشاہدہ ہم مسلمان اپنے ایمان کی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ پاکستان بننے، قراردادِ مقاصد پاس ہونے، شروع سے آج تک ہر دستور میں اس ریاست کا نام شدید مخالفتوں کے باوجود اسلامی جمہوریۂ پاکستان قرار پانے، ۱۹۷۳ء کے دستور میں ضروریاتِ اسلام کے اہم تقاضوں کے محفوظ ہو جانے، قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار پانے، ہفت سالہ دورِ فسطائیت کے خاتمے اور اسلامی مشاورتی کونسل کے قیام اور اس کے ذریعے قوانینِ اسلامی کی تدوین ہونے اور آخر میں اعلامیۂ ربیع الاوّل کے مطابق نظامِ اسلامی کی راہ پر بھرپور اقدام کا آغاز ہو جانے

کے تمام واقعات نے اس ملحدانہ فکری اور تہذیبی محاذ کو بُری طرح زک دی ہے جو ہمارے اردگرد دو تین صدیوں سے قائم چلا آرہا تھا۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

ملک کے اندر لادینیت پسند، اباحیت کیش، اشتراکیت پرستوں اور بندگانِ مفاد کے لیے اور ملک سے باہر تمام اسلام دشمن قوتوں کے لیے یہ صورتِ واقعہ کس درجہ ناگوار ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک اپنی بے حساب مشکلات کے باوجود اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے پر چل کھڑا ہوا ہے۔

اس کے لیے خود اللہ ہی نے احوال کا نقشہ ہمارے حق میں سازگار کیا ہے۔ اس نے مارشل لا کے پیرائے میں ایک ایسے شخص کو ایسے ساتھیوں کے ساتھ اُٹھا کھڑا کیا کہ اُس نے جرأت سے اکثریت کی بیتاب تمناؤں کے مطابق اُس مبارک کام کا کھُل کر بیڑا اُٹھایا جسے نہ کوئی وزارت اس سے پہلے کر سکی تھی، نہ کوئی آمریت۔ اُس کی پکار پر اسلامی کونسل کے اندر تمام مکاتبِ فکر کے مفکرین و علما کو شریعت کے معاملات پر سوچ بچار کرنے اور اجتہاد کی راہیں نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا۔

ہماری دفاعی اور اقتصادی مشکلات پہلے ہی کم نہ تھیں، امریکہ کی طرف سے بندشِ امداد کے اعلان نے حالات کو اور بھی دشوار بنا دیا، مگر ادھر یہ ہوا کہ پوری قوم میں اس واقعہ سے ایک ایسا جذبہ اُبھر آیا کہ انھوں نے آمدنیوں میں کمی اور مہنگائی کے باوجود امریکہ کی گرفت سے آزاد ہو جانے کو مبارک سمجھا۔ دوسری طرف جہاں تک ایٹمی توانائی کا تعلق ہے اس کے حصول اور استعمال کے لیے خداوندِ ذی جبروت نئی راہیں کھول رہا ہے۔

ہماری مالی مشکلات کا بوجھ کم کرنے کے لیے اس نے چاول کی پچھلی فصل اتنی زیادہ ہماری جھولیوں میں ڈالی ہے کہ سنبھالی نہیں جا رہی۔ اُدھر آلو کی فصل کا یہ حال ہے کہ بھاری اسٹاک پڑے ہیں اور اُن کو محفوظ رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ مزید رحم فرمائے تو گندم کے کھیت غلے کی بڑی مقدار لا رہے ہیں۔ بعید نہیں کہ کسی وقت یکایک تیل کا کوئی بڑا چشمہ اُبل پڑے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔

بڑی قوتوں کی مداخلتِ بے جا سے تحفظ دلانے کے لیے خدا نے یہ کارسازی کی کہ امریکہ کو مصر اسرائیل سمجھوتے کی دلدل میں مہینوں پھنسائے رکھا، دوسری طرف روس کا بھارت اور حبشہ اور یمن میں دخل اس کے لیے ایک نیا چیلنج بن گیا۔ خود روس پر یہ گزری کہ ایک ٹانگ افغانستان کی چٹانوں میں پھنس گئی ہے اور دوسری ٹانگ چین ویت نام جنگ نے پکڑ رکھی۔

دوسری طرف ایران کے انقلاب نے جس کا اسلامی مزاج ہمارے انقلاب ۷۷ء سے ہم آہنگ ہے، امریکہ کے ایک بڑے ایشیائی کیمپ کو ختم کر دیا ہے۔

ادھر پاک سعودی عرب تعلقات برادرانہ خطوط پر تیزی سے نشوونما پا رہے ہیں۔ خلیجی ریاستوں کو بھی پاکستان سے گہرا ربط ہے۔ ترکیہ کے ساتھ ہمارے برادرانہ تعلقات پہلے سے ہیں اور آگے چل کر ان میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

ایران اور سعودی عرب (خلیجی ریاستوں سمیت) سے پاکستان کے نئے اہم تر معاہدات کا امکان بڑی طاقتوں کے پیشِ نظر ہے۔

اور چین سے ہمارے دیرینہ گہرے رابطے کسی کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہیں۔

یہ سارا نقشۂ احوال جس میں ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ بہت بڑی اور کثیر التعداد مخالفِ اسلام قوتوں کے ہوتے ہوئے احیائے اسلام کے بھرپور عملی کام کا آغاز حکومتی سطح سے کر سکیں محض تقدیراتِ الٰہی کا کرشمہ ہے اور یہ انعام ہے اسلام کی راہ پر بڑھنے کی خواہش کا۔ اگر اسلام کے لیے ہمارا شعور اور ہمارے جذبے اور گہرے ہو جائیں اور ہم اپنے خیالات اور اعمال کو درست کر لیں تو پھر اس کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں۔

---

(۲)

بنگلہ دیش میں کسی قدر نئی تکنیک سے تبلیغ عیسائیت کی مہم شروع ہے۔ اس بارے میں جو

پہلی رپورٹ ہمیں ملی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

اسلام نے حضرت عیسیٰ کے واحد منجی ہونے کے عیسائی عقیدے کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی ہے ، سوائے انڈونیشیا کے ، باقی تمام دنیا سے اسلام میں عیسائیت قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم رہی ہے ۔ عیسائی ادارہ ہائے تبلیغ اعتراف کرتے ہیں کہ جو وقت اور سرمایہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے خرچ کیا جاتا ہے اس کے مؤثر نتائج نہیں نکلتے ۔

تاہم انھوں نے بنگلہ دیش میں کسی قدر نئی تکنیک سے کام لے کر مصیبت زدہ بہاریوں اور مقامی مسلمانوں کے پیٹ کے راستے اُن کے دلوں میں نقب لگائی ہے ۔

رپورٹ میں مثالاً بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک مسلمان نوجوان کو توعیسائی بنایا گیا ۔

حلیم علی ایک انیس سالہ نوجوان ہے ۔ وہ اپنی دہقانی زندگی سے اُکتا چکا ہے اُس کا گھر بانس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہے جس میں اس کے والدین ، پانچ بہن بھائی اور دادا دادی اور ایک چچا اور دو بیوہ خالائیں رہتی ہیں ۔ وہ اپنے آبائی قطعۂ زمین پر مریل جانوروں کے ذریعے تمام دن ہل جوتتا ہے ۔

ایک شام کو ایک دراز قد سفید فام آدمی اس کے گھر آیا اور عیسائیت کے کچھ رسائل دیے ۔ پھر مقامی سکول ماسٹر کو بلوایا جس نے وہ رسائل پڑھ کر حلیم کو سنائے ۔ ایک دن حلیم مزید حالات کو جاننے کے لیے عیسائیت کے تبلیغی مرکز میں پہنچتا ہے جو پانچ میل دُور ہے ۔ وہاں اس کی آنکھیں ایک شفاخانے ، صنعتی تربیت گاہ ، تجرباتی کھیت ، ابتدائی تعلیم کے دو اسکولوں اور عیسائی مبلغین کے دو خوبصورت مکانوں کو دیکھتی ہیں ۔ اس نئی دُنیا کو دیکھ کر وہ ششدر رہ جاتا ہے ۔ آخر وہ عیسائیت قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے ۔ اس کے لیے مرکز میں قیام و طعام کا بندوبست کیا جاتا ہے اور عیسائیت کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ عیسائی ہو جاتا ہے اور واپس کنبے میں جا کر بڑے فخر سے تبدیلِ مذہب کا اعلان کرتا ہے ۔ مقامی معاشرے میں کچھ خراب ردّ عمل ہوتا ہے ۔ اس پر حلیم پھر عیسائی مرکز میں جا کر مخالفانہ حالات کا رونا روتا ہے ۔ وہاں سے سہارا ملتا

ہے۔ اور اس کے بپتسمہ کے بعد چھ ماہ کے عرصے میں اس کی شادی ایک عیسائی لڑکی سے کردی جاتی ہے۔ پھر وہ مشن کا کورس مکمل کرتا ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس نئی تبلیغی مہم میں کچھ روایاتی طور طریقوں کو بدل دیا گیا ہے۔ سابق طریقوں سے کام کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۹۷۳ء کے بعد کے چار سالوں میں صرف ۵۰ افراد کو عیسائی بنایا جاسکا۔ اب رفتار یہ ہے کہ گذشتہ ۲ سال میں ۳۷ آدمی عیسائیت میں داخل ہوئے ہیں۔ موجودہ پالیسی میں پال کی تعلیم (کرنتھیون ۱۶(۲۳) ۱۶ – ۹) کے مطابق یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ مسیح کے پیغام کو کامیاب کرنے کے لیے ایک عظیم دانشور، کسی غلام، کسی یہودی حتیٰ کہ کسی کافر تک کا پارٹ ادا کرسکتا ہے۔ دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ مسلمانوں میں کام کرنے کے لیے انہی کے طور طریقوں اور اصطلاحات کا استعمال کیا جائے۔ چند اہم ہدایات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے نسلی امتیاز یا مغرب کی بالادستی کا اظہار نہ ہو۔

۲۔ مقامی مسلمانوں کے لباس کو اپنایا جائے۔ بنگلہ دیش میں مردوں کے لیے دھوتی عورتوں کے لیے ساڑھی۔ نیز جس طرح وہاں کی عورتیں دوسری جگہ جاتے ہوئے پردہ کرتی ہیں۔ اس کا لحاظ رکھا جائے۔

۳۔ مبلغین جو مکان کرائے پر لیں وہ صاف تو ہوں مگر بالکل سادہ اور مختصر ہوں۔

۴۔ مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ وہ عبادت کے ان طور طریقوں کو چھوڑ دیں جن کے وہ عادی ہیں۔ نماز، روزہ سب کچھ رہے صرف ان کا مفہوم بدل دیا جائے۔

۵۔ عیسائیوں اور ہندوؤں سے منسوب ذخیرۂ الفاظ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ذوق کے مطابق زبان استعمال کی جائے۔

۶۔ عبادت گاہوں کے باہر طہارت کا انتظام کیا جائے، اندر جاتے ہوئے جوتے اتار دیے جائیں۔ بائبل کو پڑھنے کے لیے ایسے ہی رحل استعمال کیے جائیں جیسے قرآن کے لیے کیے جاتے ہیں (مقصد یہ کہ تبدیلیٔ مذہب کو وہ شدت سے محسوس نہ

کر سکیں۔

۷۔ عبادت کے وقت آنکھیں بند رکھنے کا طریقہ چھوڑ کر مسلمانوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے۔

۸۔ خدا کی حمد کا ورد پرجوش انداز سے کیا جائے۔

۹۔ عبادت کرنے والے مسلمانوں کی طرح آپس میں گلے ملیں۔

۱۰۔ خیال رکھا جائے کہ مسلمان جمعہ کے روز کو مبارک دن شمار کرتے ہیں۔

۱۱۔ مسلمانوں کی طرح روزے رکھے جائیں، مگر وضاحت کر دی جائے کہ تیس روزے خدا کی طرف سے مقرر نہیں ہیں۔

۱۲۔ لفظ کرسچین کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کرنے والوں کو عیسیٰؑ کا پیروکار کہا جائے۔

۱۳۔ گرجوں کو چلانے کی ذمہ داری نو عیسائیوں پہ ڈالی جائے۔ شروع میں غیر ملکی سرمایہ استعمال نہ کیا جائے۔

ہمارے سامنے ابھی متذکرہ رپورٹ ہی توجہ طلب تھی کہ ایک اور وسیع تر رپورٹ روزنامہ جسارت میں شائع ہو کر آگئی۔ اس کے بعد کے دو سالوں کا کام بھی سامنے آگیا ہے۔

عیسائی مشنریوں کو بہت بڑا شکار اُن غم زدہ مہاجر مسلمانوں کی شکل میں ملا جو برما سے نکالے گئے تھے۔ بنگلہ دیش جانے والے افراد دو لاکھ تھے۔ ان مصیبت زدہ مسلمانوں کو دنیائے اسلام سے کوئی مدد نہ مل سکی۔ عیسائی اداروں نے ایک ہفتے کے اندر ان میں پندرہ ہزار کمبل، کپڑے، خوراک اور دوائیں تقسیم کیں۔ اس سے پہلے ۷۴ء کے قحط میں انہوں نے ایک ارب ڈالر خرچ کیے تھے۔ ۷۱ء کے بحران اور ۷۴ء کے قحط نے ان کے لیے میدان ہموار کر دیا۔ اور اب برما کے مہاجرین ان کا تبلیغی نشانہ بنے۔ ان مہاجرین میں سے خاصی تعداد عیسائیت قبول کر کے واپس برما چلی گئی۔ اس وقت بنگلہ دیش میں ۲۰ عیسائی مشنری ادارے کام کر رہے ہیں۔ رومن کیتھولک کے ۵۸ کلیسائی حلقے قائم ہیں، اور ۱۵۷ پادری تبلیغ کر رہے ہیں۔ ۲۹۵ کیتھولک پرائمری اسکول،

۱۴۱ ہائی اسکول، ۲۴ کالج اور ۵ پیشہ وارانہ اسکول ہیں۔ کیتھولک انتظام کے تحت ۴ ہسپتال، ۴۰۰ ڈسپنسریاں اور انسداد جذام کے دو مرکز موجود ہیں۔ وہاں ۸۰ ہزار پروٹسٹنٹ ہیں جو ۳۶۰ مشنری اداروں کو چلا رہے ہیں جن کے زیر انتظام تعلیم گاہیں اور ۲ ہسپتال قائم ہیں۔
ایک اندازے کے مطابق ۱۹۷۱ء سے اب تک ایک لاکھ سے زائد افراد عیسائی ہو چکے ہیں۔ جن میں ۵۰ ہزار مسلمان شامل ہیں۔ ہماری کمپوں میں بھی خاصی تعداد نے ارتداد اختیار کیا ہے۔
اوپر کی رپورٹ میں جو نئی چالیں تجویز کی گئی ہیں، ان میں جسارت کی رپورٹ مزید اس خطرناک بات کا اضافہ کرتی ہے کہ عیسائی ہونے والے مسلمانوں کے نہ تو نام بدلے جائیں، نہ ان کو جامع مساجد میں نماز جمعہ پڑھنے سے روکا جائے، بلکہ انہیں اپنا نیا عقیدہ پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی جائے۔ یعنی اس طرح کام کیا جائے جیسے لکڑی کو دیمک لگ جاتی ہے۔
ہم نے یہ معلومات اس لیے عرض کی ہیں کہ مختلف ملکوں کی دینی شخصیتیں اور تنظیمیں، خصوصاً سعودی عرب اور کویت کے تبلیغی ادارے اس بارے میں گہری سوچ بچار کریں۔ ہو سکے تو فوری طور پر کانفرنس بلوائی جائے اور اس سیلابِ ارتداد کا سدباب کیا جائے۔

---

(۳)

عالمِ اسلام اس لحاظ سے تو بڑے مبارک دَور سے گذر رہا ہے کہ مغربیت کے اثرات سے آزاد ہونے کے لیے جا بجا احیائے اسلام کی تحریکات اُبھر رہی ہیں، لیکن ایسے ہی حالات میں مخالف قوتوں کی سرگرمیاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔
اس وقت عالم یہ ہے کہ مصر اسرائیلی معاہدے کے طلسم کو کام میں لاکر مغرب نے عربوں کی وحدت کو کاری ضرب لگائی ہے۔ مصر جیسا اہم ملک باقی سب سے کٹ گیا ہے۔ ترکی کئی سال سے دفاعی اور اقتصادی لحاظ سے مشکل ترین دَور سے گذر رہا ہے۔ ایران سے امریکہ کا بوریا بستر اُٹھ چکا ہے، اور روس اس کا خلاء بھرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ افغانستان اور یمن کے مسلمانوں کو دو دو محاذوں میں بانٹ کر انہیں ٹکرا دیا گیا ہے۔ پاکستان پر پہلے (باقی بر صفحہ ۴۶)

تعزیراتِ اسلام

مولانا بشیر احمد صاحب قاضی - باغ - آزاد کشمیر

(۱۸)

جنین کی دیت دفعہ نمبر ۱۲۳-

۱- جنین سے مراد وہ بچہ ہے جو ابھی عورت کے پیٹ میں ہو۔

۲- اگر کسی نے حاملہ عورت کو مارا پیٹا جس کے نتیجہ میں اس کے پیٹ سے جنین مُردہ حالت میں ساقط ہوا تو مجرم کی عاقلہ پہ پانچ سو درہم دیت (یا اس کی بازاری قیمت) ادا کرنی واجب ہوگی[۱]۔

تشریح:۔ ا- اگر جنین مذکر ہو تو مرد کی دیت کا ملہ کا بیسواں[۲] حصہ مجرم کی عاقلہ پہ عائد ہوگا اور مرد کی دیت کاملہ دس ہزار درہم ہے اور اس کا نصفِ عشر یعنی بیسواں حصہ پانچ سو درہم ہے جو عاقلہ ادا کرے گی[۳]۔

ب- اور اگر جنین مؤنث ہو تو مجرم کی عاقلہ عورت کی دیت کا عشر یعنی دسواں حصہ ادا کرے گی۔ اور عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ یعنی پانچ ہزار درہم ہے۔ اس اعتبار سے دسواں حصہ بھی پانچ سو درہم بنتا ہے[۴]۔ خلاصہ یہ ہے کہ جنین خواہ مذکر ہو یا مؤنث اس کے عوض ضارب

---

[۱] الدر المختار جلد ۵ ص ۳۸۹ فصل فی الجنین۔

[۲] ایضاً

[۳] ایضاً

کی عاقلہ پر پانچ سو درہم ، دیت ادا کرنی لازم ہوگی۔

۳۔ جنین کا تاوان عاقلہ ایک سال میں ادا کرے گی۔[1]

تشریح :۔ ا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ جنین کے بارے میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ " بنی لحیان نامی خاندان کی عورت کا بچہ (مار پٹائی کی وجہ سے) مردہ حالت پر ساقط ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کے بدلہ میں (مجرم کی عاقلہ پر) ایک غلام کا "غرۃ" لازم کیا۔ ان کی دوسری روایت اس طرح ہے کہ " قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں کے درمیان لڑائی ہوگئی جس پر ایک نے دوسری کو پتھر مار کر قتل کر دیا۔ اور اس کے پیٹ میں جو کچھ تھا اس کو بھی قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کے بدلہ میں ایک غلام کا "غرۃ" اور عورت کے بدلہ میں مجرم کی عاقلہ پر دیت کا ادا کرنا ضروری قرار دیا۔ اور عورت کا ترکہ اس کے ورثاء، بیٹوں اور دیگر افراد کے لیے مقرر فرمایا"۔[2]

مذکورہ دونوں روایتیں درحقیقت ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ جنین کے بدلہ میں دیت کی سزا دی جائے گی۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ دیت کی سزا دی جاتی اس لیے کہ جنین کے زندہ ہونے پر یقین کرنے کی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ لیکن حدیث بالا کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جاتا ہے۔[3]

تشریح ب :۔

جنین کا تاوان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک سال میں ادا کیا جائے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین سال میں ادا ہوگا۔[4]

تشریح ج :۔

مذکورہ حدیث میں لفظ "غرۃ" کا ذکر ہے۔ اس لفظ کا اطلاق درحقیقت چاند کی ابتدائی عمر

---

[1] الدر المختار جلد ۵ ص ۳۸۹ فصل فی الجنین۔

[2] ایضاً

[3] المرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۷ ص ۱۰۰ - ۱۰۱ (مطبوعہ ملتان)

[4] ایضاً

پر ہوتا ہے، پھر اس کی مناسبت سے فقہاء کے نزدیک غرّہ کا اطلاق دیت کی ابتدائی مقدار پر بھی ہوتا ہے[1]۔ جس کی تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے۔

تشریح د:- "غرّۃ" کی مالیت کیا ہے؟ دینار کے اعتبار سے ائمہ کا اتفاق ہے کہ پچاس دینار ہے۔ البتہ درہم کے اعتبار سے اس کی مالیت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک پانچ سو درہم غرّہ کی مالیت ہے اور دوسروں کے نزدیک چھ سو درہم ہے۔

اختلاف کی بناء وہی ہے جو دیت کے اختلاف کی ہے یعنی یہ کہ دیت کاملہ دس ہزار درہم ہے یا بارہ ہزار درہم؟ جو بارہ ہزار درہم کے قائل ہیں وہ غرّۃ کی مالیت چھ سو درہم بیان فرماتے ہیں اور جو دس ہزار درہم کے قائل ہیں وہ پانچ سو بیان کرتے ہیں۔ سب کا اسی پر اتفاق ہے کہ غرۃ سے مراد دیت کاملہ کا نصف عشر یعنی کل دیت کا بیسواں حصہ ہے[2]۔

۴۔ اگر ضرب سے جنین زندہ حالت میں پیدا ہوا۔ پھر مر گیا تو اس صورت میں مجرم کی عاقلہ پر دیتِ کاملہ واجب ہوگی اور مجرم پر کفارہ بھی عائد ہوگا[3]۔

۵۔ اگر ضارب کی مار پٹائی سے جنین مردہ حالت پر ساقط ہوا، پھر اس کی ماں فوت ہوگئی تو ماں کے عوض عاقلہ عورت کی دِیَت ادا کرے گی اور جنین کے عوض "غرّۃ" یعنی دیت بمقدار پانچ صد درہم واجب ہوگی[4]۔

تشریح:- درحقیقت اس شق کی بنیاد اس بات پر ہے کہ فعل اپنے اثر و نفوذ کے اعتبار سے متعدی ہوتا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ زیلعی کے حوالہ سے اس کی ایک مثال نقل کرتے ہیں، یعنی یہ کہ ایک شخص مثلاً دوسرے شخص کو تیر مارتا ہے جو اس سے گزر کر ایک اور شخص کو بھی قتل کر دیتا ہے۔ اگر یہ قتل خطاء ہو تو دونوں کی الگ الگ دیت واجب ہوگی۔ اور اگر پہلا قتل عمداً ہو تو اس کے بدلہ

---

[1] الدر المختار جلد ۵ ص ۳۸۹

[2] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۹۸۔ باب تقویم الغرۃ۔

[3] رد المختار جلد ۵ ص ۳۸۹

[4] ایضاً جلد ۵ ص ۳۹۰۔

میں قصاص واجب ہوگا۔ اور دوسرے کے بدلہ میں دیت لازم ہوگی، کیونکہ دوسرا خطاءً قتل ہوا ہے[1]
اسی طرح یہاں بھی سزا بصورت دیت الگ الگ ہوگی۔

۶۔ اگر جنین ایک سے زائد ہوں تو ہر ایک جنین کی دیت الگ الگ واجب ہوگی۔ مثلاً ایک عورت نے اگر دو جنین ساقط کیے تو دو دیتیں واجب ہوں گی[2]۔

۷۔ اگر ان میں سے ایک زندہ پیدا ہو کر مرا اور دوسرا مردہ حالت میں ساقط ہوا تو زندہ کی دیت کاملہ اور مردہ کی دیت "غرۃ" واجب الادا ہوگی[3]

۸۔ اگر ماں مر چکی تھی، پھر مردہ جنین پیدا ہوا تو صرف ماں کی دیت واجب ہوگی۔ البتہ اگر اس صورت میں جنین زندہ ہو کر مرا تو جنین کی دیت الگ سے واجب الادا ہوگی[4]

۹۔ اگر ماں کے مرنے سے قبل ایک جنین پیدا ہوا۔ اور ماں کے مرنے کے بعد دوسرا جنین پیدا ہوا اور دونوں مردہ حالت میں پیدا ہوئے تو جو ماں کی موت سے قبل پیدا ہوا۔ اس کے عوض غرۃ یعنی جنین کی دیت واجب الادا ہوگی اور دوسرے کے عوض کچھ واجب نہ ہوگا[5]۔

۱۰۔ اگر حاملہ عورت نے کوئی دوائی پی کر جنین کو گرا دیا تو اس پر جنین کی دیت واجب الادا ہوگی[6]۔

ادائیگی دیت کی مہلت | دفعہ ۲۴

دیت کاملہ کی ادائیگی کی مہلت تین سال تک دی جائے گی۔ اور نصف دیت کاملہ کے لیے دو سال اور ثلث دیت اور اس سے کم کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی[7]۔

تشریح ۱۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ قتل خطاء کی دیت عاقلہ تین سال میں ادا کرے گی۔ اس پر

۱؎ رد المحتار جلد ص ۳۹۰ ۲؎ ایضاً

۳؎ الدر المختار جلد ۵ ص ۳۹۰

۴؎ شامی جلد ۵ ص ۳۹۰ ۵؎ ایضاً

۶؎ المغنی والشرح الکبیر جلد ۹ ص ۵۵۰

۷؎ بحوالہ اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۲۵۲

صحابہؓ کا اجماع ہے، البتہ قتل خطاء میں اقرار کی صورت میں دیت مجرم کے مال سے تین سال میں قابلِ ادائیگی ہوگی۔ اور شبہ عمد اور ایسے عمد میں جس میں شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوکر دیت واجب ہو، (جیسے بیٹے کے قتل میں باپ سے قصاص ساقط ہوگا) میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک تین سال میں دیت ادا کی جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قتلِ خطاء میں تین سال کی مہلت اجماع کی وجہ سے دی گئی ہے، مگر یہ رعایت قتلِ عمد میں نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ عمد میں تغلیظ مقصود ہے، یعنی مجرم پر زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تاکہ اس کو جرم کا احساس ہو۔ لہٰذا قتل عمد میں دیت فی الحال واجب الادا ہوگی۔ جو مجرم اپنے مال سے ادا کرے گا[۱]

احناف فرماتے ہیں کہ دیت کا وجوب اس آیت سے معلوم ہوا۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ۔ اس آیت میں اگرچہ دیت خطاء کا ذکر ہے مگر باقی اقسام کی دیت اسی کے ساتھ ملحق ہے، البتہ اس کی مقدار اور اس کے وصف یعنی مدت کی صراحت قرآن میں نہیں ہے۔ ضروری وضاحت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی چنانچہ آپ کا ارشاد ہے "فی النفس المؤمنة مائة من الابل" یعنی مومن نفس کے قتل پر سو اونٹ بطور دیت ادا کیے جائیں گے اور وقت یعنی دیت کی مہلت کی وضاحت اجماع صحابہ کے ذریعہ ہوگی۔ یعنی تین سال کی مدت میں دیت کا ادا کی جائے گی[۲]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیت کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ "دیت کاملہ" تین سال کی مدت میں اور نصف دیت دو سال کی مدت میں، اور ثلث ایک سال کی مدت میں، اور جو ثلث سے کم ہو وہ بھی ایک سال میں قابل ادا ہوگی۔ آپؓ کا یہ فیصلہ حضرت شعبیؒ اور ابووائلؒ روایت کرتے ہیں[۳]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ ہر قسم کی دیت کا ہے جو صحابہؓ کی موجودگی میں کیا گیا اور اس پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا یہ اجماع منعقد ہوگیا[۴] اس میں قتلِ عمد اور قتلِ خطاء سب اقسام

---

۱ البدائع جلد ۷ ص ۲۵۶ - ۲۵۷ ۲ ایضاً

۳ زیلعی بحوالہ اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۴۵۲ و ہدایہ جلد ۴ ص ۵۹۹

۴ البدائع جلد ۷ ص ۲۵۶

کی دیت کا حکم شامل ہے۔

اور قتلِ عمد میں تغلیظ کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ دیت مجرم پر عائد ہوتی ہے عاقلہ پر نہیں۔

تشریح ب :۔ مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ دیتِ نفس کے تیسرے حصے تک کی دیت ایک سال کی مدت میں ادا کی جائے گی۔ لہٰذا "غرۃ" یعنی جنین کی دیت بھی ایک سال کی مدت میں واجب الادا ہوگی۔ چنانچہ امام محمدؒ ایک حدیث بھی نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "غرۃ" یعنی جنین کی دیت پانچ سو درہم عاقلہ پر ایک سال کی مدت میں ادا کرنی ضروری قرار دی تھی[۱]

امام شافعیؒ دیت کاملہ پر قیاس کرتے ہوئے تین سال کی مدت میں قابل ادا تصور کرتے ہیں، مگر حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح ج :۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بدلِ عضو کی دیت بھی اگر دیت نفس سے تیسرے حصے تک ہو تو ایک سال کی مدت میں قابلِ ادا ہوگی[۲]

تشریح د :۔ جو مال صلح کی وجہ سے واجب ہو اس میں اگر دیت کی ادائیگی کی مہلت کا ذکر نہ ہو تو وہ فی الحال واجب الادا ہوگا[۳]

دفعہ ۲۵	کن صورتوں میں عاقلہ پر دیت عائد ہوتی ہے

مالِ صلح، عمداً جرم کی دیت، اعترافِ جرم کی دیت، اور دیتِ کاملہ کے بیسویں حصہ سے کم کی دیت عاقلہ پر واجب الادا نہ ہوگی۔ بلکہ یہ مجرم خود ادا کرے گا[۴]

البتہ خطاءً جرم کرنے کی صورت میں دیتِ کاملہ اور دیتِ کاملہ کے بیسویں حصے تک کی دیت عاقلہ ادا کرے گی اور خود مجرم بھی ادا کرنے میں حصہ دار ہوگا[۵]

[۱] ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۹۹

[۲] مزید دیکھیے ہدایہ جلد ۴ ص ۵۹۹

[۳] البدائع جلد ۷ ص ۲۵۷

[۴] البدائع جلد ۷ ص ۲۵۵

[۵] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۷، ص ۲، والبدائع جلد ۷، ص ۲۵۵

دیت میں مجرم اور عاقلہ کی شرکت | تشریح ۱

عاقلہ کے ساتھ مجرم کے حصہ دار ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے۔
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیت ادا کرنے میں مجرم عاقلہ کے ساتھ حصہ دار ہوگا۔ کیونکہ اصل جرم اسی سے صادر ہوا ہے۔ امام مالکؒ کے اصحاب میں خود اختلاف ہے، ابن القاسمؒ امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کرتے ہیں جبکہ دوسرے حضرات اختلاف رکھتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عاقلہ دیت ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو تو مجرم کو شریک نہیں کیا جائے گا، ورنہ شریک کیا جائے گا۔ (بعض کتابوں میں صرف مجرم کی عدم شرکت کا ذکر ہے) امام احمد کے نزدیک مجرم کو سرے سے شریک ہی نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اگر عاقلہ پوری دیت ادا نہ کرسکے تو باقی ماندہ دیت بیت المال سے پوری کی جائے گی[۱]

احناف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے استدلال کرتے ہیں یعنی یہ کہ "قضی فی دیة الحر المسلم علی الحر (القاتل) مائة من الابل علی عاقلة الجانی وانها فی ثلاثة سنین فی کل سنة ثلثها"[۲] اس میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ آزاد مرد کے قتل کرنے پر مجرم آزاد مرد اور اس کی عاقلہ پر سو اونٹ دیت واجب الادا قرار دی گئی ہے۔

ابتداءً دیت کس پر واجب ہوتی ہے | تشریح ۲

درحقیقت مذکورہ اختلاف کی بنیاد ایک دوسرے مسئلے پر مبنی ہے یعنی یہ کہ کیا دیت ابتداءً قاتل پر واجب ہوتی ہے پھر اس سے عاقلہ پر منتقل ہوتی ہے؟ یا ابتداءً ہی عاقلہ پر واجب ہوتی ہے؟
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیت ابتداءً قاتل پر واجب ہوتی ہے پھر اس سے عاقلہ پر منتقل ہوتی ہے۔ امام احمدؒ کا رجحان بھی اسی موقف کی طرف ہے۔ امام شافعیؒ ابتداءً ہی عاقلہ پر دیت واجب قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل میں قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں کا واقعہ پیش کرتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتلہ عورت کی عاقلہ پر مقتولہ کی دیت واجب الادا قرار دی تھی[۳] (دیکھیے صفحہ ۲۹)

---

[۱] تفصیل دیکھیے: مرقاة شرح مشکوٰة جلد ۷ ص ۲
[۲] کذا فی المظہری وحکی عن البیہقی عن الشافعیؒ جلد ۲ ص ۱۸۶
[۳] البدائع جلد ۷ ص ۲۵۵ والمغنی جلد ۹ ص ۵۲۵، ۵۲۶۔

علامہ ابنِ قیمؒ

جناب پروفیسر طیّب شاہین لودھی

(۲)

تصوف اور ابن قیمؒ قرونِ اُولیٰ میں تصوف ایک علیحدہ ادارے کی حیثیت سے معروف نہ تھا۔ تاہم سلف احسان کے زمرے میں اسلامی عبادات کی رُوح کی کامل رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔ لیکن تزکیۂ نفس کے ان تمام طریقوں سے اجتناب کرتے تھے جو مشکوٰۃ نبوّت سے ماخوذ نہ تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ اہتمام کیا کہ فقر و زہد کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اقوال وارشادات ان کے پاس پہنچے، اُن کو کتابی صورت میں جمع کر لیا۔ جیسے امام احمد کی "کتاب الزہد" وغیرہ۔ انہوں نے متاخرین کی طرح تزکیۂ نفس کے لیے کسی علیحدہ طریق کار کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ شارع نے کوئی حکم دیتے وقت اُس کی اصل رُوح کو ہمیشہ مدّنظر رکھا ہے۔ اسلام کے ظاہری اعمال اپنے رُوحانی تقاضوں کے ساتھ کچھ اس طرح ملے جُلے ہیں کہ اُن کو اپنی رُوح سے علیحدہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ درحقیقت اعمال کی یہ ظاہری شکل وصورت جو ہمیں نظر آتی ہے اس رُوح کا پیرایہ ہے، جو شارع مومن کی سیرت و کردار میں اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ متقدمین اسی رُوح کی تفہیم کو احسان اور تزکیۂ نفس کا نام دیتے ہیں۔ یہی حقیقتِ اسلام ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا۔ لہٰذا قرونِ اُولیٰ کے علما تصوف کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ قرونِ اُولیٰ کے علما محض رضائے الٰہی کو منتہا و مقصود سمجھتے تھے۔ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اعمال کی ظاہری شکل وصورت سے زیادہ اہمیت حقائقِ ایمانی کو حاصل

ہے۔ بس ظاہری اعمال کے ساتھ حقائقِ ایمانی کا کارفرما ہونا ہی تزکیۂ نفس یا احسان ہے۔

عجمی افکار اور یونانی فلسفے کی یلغار نے مسلمانوں میں اس تصور کو ابھارا کہ اسلام کے ظاہری اعمال نجاتِ ابدی کے لیے کافی نہیں۔ تب نجات کی تلاش میں مختلف اوراد و وظائف اور بے شمار ریاضتیں وضع کرلی گئیں۔ عیسائی راہبوں نے یہ خیال پھیلایا کہ اسلام جس خدا کا تصور دیتا ہے وہ سخت، جابر، منتقم، قاہر اور غیظ و غضب کا مالک ہے۔ اس کا تصورِ ثواب و عذاب ایک مہربان اور رحیم خدا سے بہت ہی فروتر ہے۔ انہوں نے مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعے اسلام کے الوہیت کے نہایت ہی متوازن تصور کو دھندلا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے عمل سے عاری یہ تصور دیا کہ بس ثواب و عذاب سے بالاتر ہو کر خدا سے محبت کرنی چاہیے۔ تب ایک محبت مجرد سے خدا کی تلاش ہوئی جو صرف غاروں اور جنگلوں ہی میں مل سکتا تھا۔ اور تب موضوع روایات کا طومار باندھ دیا گیا۔ الوہیت سے متعلق "نظریۂ جبر" جو کہ الٰہیات میں ایک بہت قدیم نظریہ تھا اور گمراہ کن شکل اختیار کر گیا۔ ایک بار پھر دلیل کے ہتھیار سے مسلح ہو کر حملہ آور ہوا۔ تب انسان حالات کے سامنے مجبور ٹھہرا اور اپنے آپ کو حالات کے حوالے کرکے "توکل" کر لینا ہی اسلام ٹھہرا۔ متصوفین نے بعض اصطلاحیں بھی ایجاد کرلیں جن سے قرآن و سنت قطعاً ناآشنا تھے۔ اپنی ان اصطلاحوں اور ان کے پردے میں چھپے ہوئے گمراہ کن نظریات کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ بات پھیلائی کہ نصوص کی دو تعبیریں ہوتی ہیں۔ ایک تعبیر عوام کی اور ایک تعبیر اہلِ حکمت و دانش یعنی خواص کی۔ اور وہ اپنے سوا سب کو عوام میں شمار کرتے تھے۔ ان کے نزدیک "خواص" "حقیقت" تک پہنچنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے بعد امر و نہی سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔ بعض حضرات نے دعویٰ کیا کہ ولایت نبوت سے اعلیٰ ہے۔ بعض نے خاتم الاولیاء ہونے کا دعویٰ کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ تمام انبیاء مشکوٰۃِ ولایت سے علوم حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے وحدتِ وجود کا نظریہ پیش کیا۔ ہمیں یہ تمام نظریات، سکر و صحو اور فنا وغیرہ کی اصطلاحیں متقدمین کے ملفوظات میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گی۔ انہی اصطلاحوں پر ابن قیم کے عصر میں تصورِ نجات کی پوری عمارت کھڑی تھی۔ غالباً امام ابن حزم اندلسی[1] رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے

[1] پورا نام ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم ہے۔ ۳۸۴ھ میں ولادت ہوئی۔ اکثر علماء (باقی برصفحہ آئندہ)

متصوفین اور تصوف پر تنقید کی ہے۔ تاہم بقول پروفیسر ابو زہرہ مرحوم ابن حزم کے زمانے میں اندلس پر تصوف کا غلبہ نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی تنقید سخت نہ تھی۔ لیکن ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے اپنے دور میں تصوف پر بھرپور اور مدلّل انداز میں تنقید کی۔ قرآن اور سنت کی میزان پر تصوف کے نظریات کو تولا اور ان باطل غیر اسلامی اور عجمی نظریات کی نشاندہی کی جو تصوف کے دروازے سے گھس آئے تھے۔

ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت متوازن طریقے سے تصوف کے نظریات کو پرکھا اور ان کا تجزیہ کیا۔ اُن کی کتاب "مدارج السالکین" اس موضوع پر نہایت ہی قابلِ قدر کتاب ہے۔ یہ کتاب دراصل شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہَرَوی[1] کی مشہور کتاب "منازل السائرین" کی مفصل شرح ہے شیخ الاسلام

(حاشیہ صفحہ سابقہ) کے نزدیک وہ فارسی الاصل تھے اور امویوں سے اُن کا والد کا رشتہ تھا۔ بڑے ذہین شخص تھے سب سے پہلے انہوں نے مالکی فقہ کا مطالعہ کیا، پھر شافعی فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر اپنی آزادیٔ طبع کی بنا پر شافعی فقہ میں بھی محصور نہ ہو سکے۔ فقہ شافعی کی دراست کے دوران حنفی فقہ سے بھی متعارف ہوئے۔ پھر وہ داؤد ظاہریؒ کی فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور آخر انہوں نے اپنے لیے یہی منہاج منتخب کر لی۔ وہ کسی مذہب کے پیرو نہ تھے۔ اجتہاد کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں "المحلّٰی" "الاحکام فی اصول الاحکام" اور "الملل والنحل" بہت مشہور ہیں۔ ان کی بہت سی کتابیں طبع ہو کر داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ۴۵۶ھ میں وفات پائی۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا) شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد بن علی انصاری ہَرَوی کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے جا کر ملتا ہے۔ ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ہرات اور نیشاپور میں تعلیم حاصل کی۔ فقہ و کلام میں سنّی المسلک تھے۔ بڑے عابد، زاہد، عارف باللہ صاحبِ احوال و مقامات اور صاحبِ کرامات و مجاہدات تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں "ذم الکلام" "الفاروق" "مناقب الامام احمد" اور "منازل السائرین" مشہور ہیں۔ سنت پر بڑی سختی سے پابند تھے۔ منازل السائرین کی شرح ابن قیم کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء نے کی ہے۔ منازل السائرین میں بعض مقامات پر بعض لوگوں کو کچھ غلط فہمی لاحق ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ شیخ انصاریؒ کو اتحادیہ کے نظریات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن رجبؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے سختی سے اُن کے اس دعوٰی کی تردید کی ہے۔ شیخ الاسلام شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے بعض ادباء نے ان کو شعراء میں شمار کیا ہے۔ ۴۸۱ھ میں وفات پائی اور ہرات میں دفن ہوئے۔

ابو اسماعیل ہروی فقہ و اعتقاد میں حنبلی المسلک بزرگ تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ابن قیمؒ نے ان کی کتاب کو شرح کے لیے منتخب کیا اور اپنی اس شرح میں ان کا دفاع کیا ہے۔ اس کتاب میں ابن قیمؒ نے اصحابِ طریقت کے "مقامات" کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ قرآن و سنت کی میزان پر ان کا صحیح مفہوم اور ان کی قدر قیمت متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اہلِ تصوف کے اشغال و احوال اور ان کی اصطلاحات کو اس معیار پر جانچا ہے۔ اور جا بجا ان کی "شطحیات"[لہ] کی نشان دہی کی ہے۔

ابن قیمؒ نے بار بار اس اصول کا اعادہ کیا ہے کہ کسی شخص کے ذوق و وجدان اور کشف و حال کو، خواہ وہ کتنا ہی بڑا شخص کیوں نہ ہو، نصوصِ وحی پر حکم نہیں بنایا جا سکتا۔ جب بھی قرآن و سنت اور صاحبِ کشف کے وجد و حال میں تعارض واقع ہوگا تو قرآن و سنت کی نصوص کو مقدم رکھا جائے گا۔ دراصل ان کا یہی اصول ان کے پورے فکر کی منہاج ہے۔ اور تمام عمر اسی اصول کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔

پوری کتاب میں حافظ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہروی کا دفاع کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تصوف کے موضوع پر ابن قیمؒ کی تحریریں خاص طور پر "مدارج السالکین" کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اربابِ طریقت کی اصطلاحات اور تصوف کے اسرار و رموز اور ان کے اشارات پر کامل عبور رکھتے تھے۔ انہیں صوفیاء پر گزرنے والی واردات و احوال کا کامل ادراک تھا۔ ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ اور متصوفین کے درمیان جو چیز نقطۂ اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ متصوفین کے نزدیک سلوک کی انتہا فنا اور وصلِ الٰہی ہے، جبکہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے نزدیک سالک کی منزل بقا اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس تنقید کی پاداش میں ابن قیمؒ کو اپنے استاد کے ساتھ قید و بند کے علاوہ دیگر بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

ابنِ قیمؒ بحیثیت ایک شاعر بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں کہ علامہ ابن قیم صرف ایک محدث، فقیہ اور قانون دان ہی نہ تھے۔ شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری دینی موضوعات کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے دو قصیدے بہت مشہور ہیں جن میں ایک قصیدہ "نونیہ" ہے اور دوسرا قصیدہ "میمیہ" ہے۔ دونوں بہت طویل قصیدے ہیں۔ دونوں میں سے قصیدہ نونیہ زیادہ مشہور ہے۔ ان کے شاگرد یہ قصیدہ ان سے باقاعدہ سبقاً پڑھا کرتے

لہ حافظ ابن قیمؒ نے "مدارج السالکین" میں اہلِ تصوف کی لغزشوں کے لیے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔

تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رجب ؒ نے " الذیل علی طبقات الحنابلۃ " میں اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے علامہ ابن قیم سے قصیدہ نونیہ کی سماعت کی ہے۔ یہ قصیدہ بحر کامل میں ہے اور اس کا موضوع احیائے سنت نبوی ہے۔ احیائے سنّت درحقیقت احیا و تجدیدِ دین ہے۔ ان نامساعد حالات میں جب کہ دین کا نام لینا ہی آگ کے انگارے ہاتھ میں پکڑنے سے کم نہ ہو تجدید و احیائے دین کا کام ایک عظیم کام ہے۔ یہ کام کرنے والے لوگ مقامِ عزیمت پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ صدّیقین کا مقام ہے۔ قصیدہ نونیہ کی شرح ڈاکٹر محمد خلیل ہرّاس نے لکھی ہے جو ضخیم جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔

ابنِ قیمؒ اور تحریمِ حِیَل شارع جب کسی مقصد کے حصول کو لازم قرار دیتا ہے تو اس مقصد کے حصول کے تمام اسباب کو مشروع ٹھہرا دیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی امر کو حرام قرار دیتا ہے تو ان تمام ذرائع اور راستوں کو مسدود کر دیتا ہے جن کو اختیار کر کے اس حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، خواہ یہ ذرائع فی نفسہ مباح ہی کیوں نہ ہوں۔ اس روک تھام کے لیے فقہ اسلامی میں " سدِ ذرائع " کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ یہ اصول اسلامی قانون کی ہمہ گیری اور اس کے مؤثر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی قانون شکنی کے چور دروازوں کا مؤثر طور پر سدِ باب کرتی ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگوں نے ایسے حیلے ایجاد کر لیے تھے، جن کے ذریعے محرمات کو حلال کر لیا یا فرائض کی ادائیگی سے پہلو تہی کی۔ درحقیقت حرام کے ارتکاب کے لیے حیلہ جوئی سدِ ذرائع کے منافی ہے۔ حیلہ ساز ان امور کا مرتکب ہوتا ہے جو بظاہر جائز اور حلال ہوتے ہیں۔ مگر اس کے پسِ پردہ ارتکابِ حرام کا فاسد ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔

غالباً شروع ہی سے ان حیلوں کے مرتکب وہ لوگ رہے ہیں جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا جو کسی نہ کسی طرح اسلامی احکام سے پہلو تہی کرتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں منافقین کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ وہ اسلامی احکام سے بچنے کے لیے مختلف حیلوں کا سہارا لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنّت میں ایسی بہت سی نصوص ملتی ہیں جن کے ذریعے ان حیلوں کا سدِ باب کیا گیا ہے۔ پھر خلفائے راشدین اور فقہائے اُمّت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے احکامات اور فتووں کے ذریعے اِن تمام دروازوں کو بند کر دیا جن میں داخل ہو کر اسلامی قانون کو پامال کرنے کا شرعی جواز پیدا کیا جا سکتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد جہاں علمی تحقیق اور اجتہاد جمود اور تقلید کا شکار ہوئے وہاں مختلف حیلوں بہانوں سے اسلامی قانون کی اصلی روح بھی پامال ہونے سے نہ بچ سکی۔ فقہائے متقدمین اگرچہ اجتہاد کا دروازہ بند کر چکے تھے۔ تاہم اُن میں ایسے لوگ بھی تھے جو ائمہ فقہ کے اصولوں پر ایسی فروعات کا استنباط کر سکتے تھے۔ جن کے ذریعے کسی فرض کی ادائیگی سے بچا جا سکتا ہو یا شارع کے کسی حرام کردہ امر کو حلال ٹھہرایا جا سکتا ہو۔ ابن قیم کے زمانے میں ان حیلوں کا بہت زور رہتا۔ علمائے سوء، امراء و وزراء کے لیے ایسے حیلے تلاش کرنے میں مصروف رہتے تھے جن کے ذریعے وہ اسلامی فرائض کی ادائیگی سے بچ سکیں۔ اس قسم کے حیلے آپ کو متاخرین کی فقیہات اور ان کے فتاویٰ میں بکثرت ملیں گے۔ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ (قدس سرہما) نے جہاں دیگر بدعات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا وہاں ان حیلوں کا بھی مکمل تجزیہ کیا ہے جن کے ذریعے بیمار ذہنیت رکھنے والے لوگ امر و نہی سے بچنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے "سدِ ذرائع" اور "تحریم حیل" پر عمدہ بحث کی ہے۔ سدِ ذرائع کے اصول کی افادیت کو واضح کیا ہے انہوں نے اپنی دیگر کتب کے علاوہ " اغاثة اللهفان من مصائد الشيطان " میں تحریم حیل پر قلم اٹھایا ہے۔ مگر انہوں نے " اعلام الموقعین " میں تحریم حیل اور سدِ ذرائع پر جو بحث کی ہے وہ بہت نفیس اور مفصل ہے جو تین   سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ابن قیمؒ نے ساتھ ہی ساتھ مفتی حضرات کو نصیحت کی ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت حیل محرمہ یا مکروہہ کا تتبع نہ کریں اور رخصتیں تلاش کرنے سے باز رہیں۔

ابن قیمؒ، حریتِ فکر اور اجتہاد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز تھا کہ وہ قوم جو فکر و خیال میں کسی دوسرے شخص کی اتباع کے قریب بھی نہ جاتی تھی، اب ادنیٰ سے ادنیٰ بات میں بھی آپ کی راہ نمائی کی متلاشی تھی۔ یہاں تک کہ صرف چند برسوں میں اس قوم کے ذہن میں قرآن کا سکھایا ہوا یہ عقیدہ پوری طرح راسخ ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و تقلید کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قومیں جو اپنے فکر کو کسی نقطۂ ارتکاز سے مربوط رکھے بغیر آزادیٔ فکر کا دعویٰ کرتی ہیں وہ فکری انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کی یہ فکری آزادی نوع انسانی کو فائدہ دینے کی بجائے مزید تشتت و افتراق کا باعث بنتی ہے۔

مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی شخص کو یہ مقام نہیں دیا کہ وہ تنقید سے بالاتر ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرامؓ نئے پیش آنے والے ہر مسئلہ میں آپ کی راہ نمائی حاصل کرتے تھے۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرام جیسے نفوسِ قدسیہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل پر غور وفکر کیا اور مسلمانوں کی راہ نمائی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو دینی مسائل میں مسلمانوں کی راہ نمائی کر سکتی تھی۔ ان سب کا سرچشمۂ استنباط قرآن وسنت کی ہدایت تھی۔ دوسری صدی ہجری میں جب علماء نے تتبع اور استقصاء کے بعد فقہ کی تدوین شروع کی تو اُن کی فقہیات پر قرآن وسنت سے ماخوذ ہونے کے باوجود اپنے اپنے شہر اور حلقۂ درس کی گہری چھاپ تھی۔ بایں ہمہ ان کا فکر آزادی کی فضاؤں میں محو پرواز تھا۔ اسی لیے جب ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کی آراء کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں اصول استنباط پر اتفاق ہونے کے باوجود ہمیں اُن کے استنباطات میں واضح اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ چیز اُن کی فکری آزادی پر بیّن ثبوت ہے۔ یہ چیز اس حقیقت پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شاگرد اپنے استاد کے فکر کے پرچم کو بلند رکھنے کے باوجود اُن کے محض مقلد نہ تھے۔ یہی حالت مدینہ کے مکتبِ فکر کی تھی۔ لیکن دوسری صدی کے اواخر تک تقلیدی رجحان کی ابتداء ہو چکی تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنے اپنے حلقۂ دراست سے متعلق ہونے کی وجہ سے علماء میں ایک ہلکی سی، مگر فطری انداز کی عصبیت موجود تھی جیسی آج بھی جدید جامعات کے طلبہ اپنی اپنی جامعات اور اپنے اپنے اساتذہ کے لیے رکھتے ہیں۔

اُس زمانہ میں امام شافعیؒ نے استنباط کو تقلید کی پرچھائیں سے بچانے کے لیے بہت جدوجہد کی۔ تتبع اور استقراء کے بعد اصولِ استنباط منضبط کیے۔ شرائطِ اجتہاد کو منقح کیا۔ قیاس کی افادیت اور اس کے شرعی دلیل ہونے کی حیثیت کو دلائل سے واضح کیا۔ اہلِ مدینہ اور اہلِ عراق کے بعض ان اصولوں پر کڑی تنقید کی جن سے قرآن وسنت کی بعض واضح نصوص کا ابطال ہوتا تھا۔ اور ان اصولوں کی وجہ سے تقلید کی طرف رجحان بڑھتا تھا۔ امام شافعیؒ کی تنقیحات سے استنباط کی منہاج متعین اور واضح ہو گئی۔ امام شافعیؒ نے اپنی تصنیفات خاص طور پر "کتاب الرسالۃ" اور "اختلاف الحدیث" میں قیاس اور اجتہاد پر مدلل بحث کی ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُس زمانے میں قیاس کا انکار کرنے والے علماء موجود تھے۔ یہ علماء زیادہ تر محدثین کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ حضرات تقلید کا سختی سے انکار کرتے تھے اور اجتہاد کے داعی تھے۔

چنانچہ داؤدؒ بن علی ظاہریؒ اور اُن کے فرزند ابو بکر محمد بن داؤد ظاہری نے اس شدومد سے قیاس کا انکار کیا کہ اس کی صدائے بازگشت اندلس کے دبستانوں تک سنائی دینے لگی اور اُن کا نظریۂ آزادیٔ اجتہاد اور انکارِ قیاس بقیؒ بن مخلد اور ابو عبداللہ محمدؒ بن وضاح جیسے علماء کے ذریعے اندلس تک بھی جا پہنچا۔ اور اس دعوت کو اصبغ بن حباب، قاسمؒ بن اَصبغ، محمد بن بقیؒ، محمد بن عبدالسلام الخشنیؒ اور ابن زنباعؒ رح جیسے علماء نے عام کیا۔ یہ تمام علماء اگرچہ قیاس کا انکار کرتے تھے، تاہم حریت لئے

۱؎ ابو سلیمان داؤد بن علی ظاہریؒ فقہ ظاہری کے بانی تھے۔ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امام ابو ثورؒ امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام شافعیؒ کے دیگر تلامذہ سے اکتسابِ علم کیا۔ امام احمدؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کرنا چاہتے تھے مگر امام احمدؒ نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا؛ کیونکہ امام داؤدؒ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے۔ امام داؤد قیاس کے سخت مخالف تھے؛ مگر اجتہاد کرتے تھے۔

۲؎ حافظ ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلدؒ اندلس میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کی خاطر بلادِ مشرق میں امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے ابو بکر ابن ابی شیبہؒ اور دیگر علماء سے بھی حدیث سُنی۔ پھر واپس اندلس چلے گئے۔ وہ امام احمدؒ کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قاضی ابن ابو یعلیٰ نے "طبقات الحنابلہ" میں لکھا ہے۔ بقی بن مخلد مجتہد تھے۔ وہ کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ ۲۷۶ھ میں فوت ہوئے۔

۳؎ ابو عبداللہ محمد بن وضاحؒ؛ امام بقی بن مخلد کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے بھی تحصیلِ علم کی خاطر بلادِ مشرق کا سفر کیا۔ دونوں ائمہ، قرطبہ میں رہائش پذیر تھے۔ محمد بن وضاح بھی امام بقی بن مخلد کی طرح آزادیٔ فکر کے حامی اور اس کے علمبردار تھے۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔

۴؎ قاسم بن اصبغ اندلس کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے بقی بن مخلدؒ اور محمد بن وضاح سے علم حاصل کیا۔ اندلس میں اجتہاد اور آزادیٔ فکر کے پرچم کو تھامے رکھا۔ علوم حدیث کی اشاعت میں کوشاں رہے۔ انہوں نے بلادِ مشرق کا علمی سفر بھی کیا۔ ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔

۵؎ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اصبغ بن الحباب، محمد بن بقی، محمد بن عبدالسلام الخشنی اور ابن زنباع رحمہم اللہ کو شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کو اہلِ فنون، فقہائے قرطبہ اور شیوخِ قرطبہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ علامہ ابن زنباعؒ کے لیے شیخ ہدیٰ اور محمد بن عبدالسلام کے لیے فقیہِ عصر (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور اجتہاد کی ضرورت کے قائل تھے۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کرلیا اور اپنے اپنے مکتب فکر کی چار دیواری میں محصور ہوکر بیٹھ گئے۔ اب اجتہاد کا دروازہ کھولنا حرام ٹھہرا۔ فقہائے متقدین نے اجتہاد تو کجا، تبدیلی مسلک تک کو قابلِ تعزیر جرم ٹھہرایا۔ عجیب بات ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنے میں وہ علماء پیش پیش تھے جنہوں نے بڑی شدّومد سے قیاس کی افادیت کو ثابت کیا تھا اور جن کے استنباط پر قیاس کا عنصر غالب تھا۔ حالانکہ قیاس اور اجتہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کے ردّعمل میں قیاس کا انکار بڑھتا گیا۔ اندلس میں انکارِ قیاس، ظاہریت اور آزادیٔ اجتہاد کو ابن حزمؒ جیسے جہابذہ میسر آگئے۔ لیکن بلادِ مشرق میں انکارِ قیاس اور ظاہریت کو قاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین[۱] الفراء کی وجہ سے رخصت ہونا پڑا۔ تاہم اجتہاد کے حق میں اور تقلیدِ جامد کے خلاف آوازیں بلند ہوتی چلی گئیں۔ امام داؤد ظاہریؒ اور امام ابنِ حزمؒ نے تقلیدِ جامد کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے، مگر علمبردارانِ انکارِ قیاس کی آراء قلم کی سختی اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر علماء میں مقبول نہ ہوسکیں۔ اکثریت اُن کی مخالف رہی۔ بایں ہمہ تقلید کے خلاف لکھا جانے لگا۔ علامہ عزالدین ابن[۲] عبد السلام اور

(حاشیہ صفحہ سابقہ) کے لفظ استعمال کیے ہیں۔ ان کی آراء کا اہلِ ظاہر کی آراء سے علیحدہ طور پر ذکر کیا ہے۔
(اغاثۃ اللھفان جلد ۱)

۱؎ ابو یعلیٰ احمد بن الحسین بن محمد بغدادی ۳۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ و اعتقاد میں حنبلی المسلک تھے۔ چنانچہ صفات باری تعالیٰ میں وہی مسلک تھا جو سلف کا تھا۔ یعنی صفات پر بغیر تشبیہ اور بغیر تعطیل و تاویل ایمان رکھنا امام احمدؒ کے مذہب کی توضیح و تائید میں اُن کا کوئی ہم پلّہ نہیں۔ البتہ حدیث میں قابلِ وثوق نہیں ہیں۔ ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں "الاحکام السلطانیہ" مشہور ہے۔

۲؎ شیخ عزالدین ابو محمد عبد العزیز بن عبد السلام السلمی الدمشقی ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے بہت سے علماء سے علم حاصل کیا۔ ابن عبد السلام متعدد علوم کے ماہر تھے۔ اصول و فروع پر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ دمشق اور مصر کے مدارس میں درس دیتے تھے۔ بڑے جید اور محقق عالم اور رتبۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ۶۶۰ھ میں وفات پائی۔

علامہ ابن دقیق العیدؒ[1] بھی ان علماء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے تقلید شخصی کے خلاف آواز اُٹھائی۔

ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ نے آکر حریتِ فکر کے پرچم کو تھاما۔ انہوں نے نہ صرف یہ دعویٰ کیا کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا بلکہ انہوں نے عملاً اجتہاد کر کے دکھایا اور بعض بہت اہم مسائل پر جمہور علماء کے مسلک کے خلاف اپنی مجتہدانہ رائے کا اظہار کیا اور علمائے سوء کی دشمنی مول لی۔ اس میدان میں ابن قیمؒ اپنے عظیم اُستاد کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اُن کی تحریریں حریت فکر کی حامل ہیں۔ انہوں نے تقلید کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ مواد جا بجا اُن کی تقریباً تمام تحریروں میں بکھرا ہوا ملے گا۔ لیکن انہوں نے "اعلام الموقعین" میں تقلید و اجتہاد پر نہایت تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اجتہاد کے لیے اُن شرائط کو پورا کرنے پر زور دیا ہے جن کے بغیر اجتہاد و استنباط بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتا ہے۔ سلف میں بقول احمد محمد شاکر مرحوم ان شرائط کو امام شافعی سے زیادہ بہتر طریقے سے کسی نے منضبط نہیں کیا۔ ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ کے بعد اسلامی دُنیا کے ہر کونے سے حریتِ فکر اور اجتہاد کی بازگشت سُنائی دینے لگی۔ بعد میں آنے والی دُنیا کی ہر اسلامی تحریک خواہ وہ نجد سے اُٹھی ہو یا ہندوستان سے، افریقہ میں برپا ہوتی ہو یا مصر یا پاکستان میں، اس نے واضح طور پر ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے افکار سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ چنانچہ اجتہاد کے حق میں اور فکری جمود اور تقلید کے خلاف محمد بن عبدالوہابؒ[2] نجدیؒ،

---

[1] تقی الدین ابو الفتح محمد بن وہب المصری القشیری جو ابن دقیق العید کے نام سے مشہور ہیں۔ حجاز میں مدینہ کے ایک مضافی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا سنِ ولادت ۶۲۵ھ ہے۔ قوص کے مقام پر پرورش پائی اور وہیں حصولِ علم کی ابتدا کی۔ پھر قاہرہ جا کر علامہ عز الدین ابنِ عبدالسلام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اُن سے فقہ اور اصولِ فقہ کا علم حاصل کیا۔ ابن دقیق العید کا شمار محققین اور حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے۔ آپ کو عللِ حدیث کی معرفت کا ملکہ تھا۔ اس میدان میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں "الاقتراح فی معرفۃ الاصطلاح" اور "الامام" مشہور ہیں۔

[2] شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی سنہ ۱۱۱۴ھ میں نجد میں عُیَیْنَہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

محمد بن اسماعیل صنعانیؒ[1]، امام شاہ ولی اللہؒ[2]، امام شوکانیؒ[3]، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ[4]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی جو عیینہ کے قاضی تھے۔ پھر خود مطالعہ شروع کر دیا۔ حج کرنے گئے تو وہاں سے مدینہ منورہ پہنچے، وہاں سے عبداللہ بن ابراہیم بن سیف اور علامہ محمد حیات سندی سے علم حدیث حاصل کیا۔ مسلمانوں میں شرک و بدعات کو دیکھ کر بہت ہی کڑھتے تھے۔ مدینہ سے فارغ ہو کر آپ بصرہ آئے اور شیخ محمد مجموعی سے علم حاصل کیا۔ اور یہیں سے آپ نے اصلاح کی تحریک شروع کی۔

[1] امام محمدؒ بن اسماعیل بن صلاح کحلانی صنعانی ۱۰۵۹ھ میں کحلان (یمن) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ صنعاء جا کر وہاں سے اہلِ علم سے اکتساب علم کیا، پھر حرمین گئے۔ اور وہاں کے علماء سے حدیث کی سند لی۔ تقلید کی سختی سے مخالفت کی اور اجتہاد کا دعویٰ کیا۔ اس طرح انہیں علماء کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں "سبل السلام" شرح بلوغ المرام بہت مشہور ہے۔

[2] شاہ ولی اللہؒ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے حاصل کی، اور انہی کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندی کے طریقہ پر بیعت کی۔ والد ماجد کی وفات پر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ وہیں سے حدیث کی سند لی۔ شاہ ولی اللہؒ ہندوستان میں اسلامی نشاۃ الثانیہ کے نقیب ہیں۔ انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی روح سے روشناس کرایا۔

[3] امام محمدؒ بن علی بن محمد الشوکانی صنعانی ۱۱۷۲ھ میں یمن میں بمقام شوکان پیدا ہوئے۔ صنعاء میں پرورش پائی۔ انہوں نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء سے مختلف علوم حاصل کیے۔ ابتداء میں امام زید کی فقہ سیکھی، لیکن بعد میں تقلید کا سختی سے انکار کیا۔ الٰہیات میں سلفی المشرب تھے۔ تقلید کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر سپرد قلم کیں۔ نیل الاوطار، فتح القدیر اور ارشاد الفحول بہت مشہور اور متداول ہیں۔

[4] شاہ اسماعیل شہیدؒ شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے۔ سید احمد شہید کے ساتھ مل کر حکومتِ الٰہیہ کی تحریک برپا کی۔ سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔ ۱۲۴۶ھ سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔ عبقات، تقویۃ الایمان اور منصبِ امامت ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

سید نذیر حسینؒ[1] دہلویؒ، علامہ محمد عبدہؒ[2]، علامہ سید رشید رضاؒ[3]، علامہ احمد محمد شاکرؒ[4]، علامہ اقبالؒ[5] اور مفکرِ اسلام[6] سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کی کاوشیں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں تقریباً تمام اہلِ علم اجتہاد کی ضرورت پر متفق ہیں۔

ابن قیمؒ کی تصنیفات علامہ ابن قیمؒ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور ہر موضوع پہ قاری کو اپنی مہارت، وسعتِ معلومات، فکر کی گہرائی اور دقیقہ رسی کا قائل کر لیتے ہیں۔ جس فن پر قلم اٹھاتے ہیں یوں محسوس

---

[1] سید جواد کے بیٹے سید نذیر حسینؒ ہندوستان کے صوبہ بہار میں تقریباً ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ ۱۲۳۶ھ میں تحصیلِ علم کے لیے دہلی روانہ ہوئے۔ ۱۲۴۳ھ میں دہلی پہنچے۔ راستے میں پٹنہ کے مقام پر امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ دہلی پہنچ کر خانوادۂ ولی اللہ سے بالواسطہ علم حاصل کیا۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ سے بلاواسطہ اکتسابِ علم کیا۔ دہلی میں تقریباً ۶۰ برس تک تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ پاک و ہند کے تمام اہلِ حدیث علماء بلاواسطہ یا بالواسطہ انہی کے شاگرد ہیں۔ اس لیے شیخ الکل کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء وفات پائی۔

[2] شیخ محمد عبدہ ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ سید جمال الدین افغانیؒ کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ اپنے خیالات میں حریتِ فکر کے حامی ہیں۔ تفسیر قرآن پر ان کے لیکچر بہت مشہور ہیں۔ ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء وفات پائی۔

[3] سید محمد رشید رضا ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ طرابلس (شام) میں پرورش پائی۔ محمد عبدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہی کے ہو کر رہ گئے۔ شیخ محمد عبدہ کے تفسیری لیکچروں کو محفوظ کیا۔ ان کے نظریات کی منہاج وہی ہے جو محمد عبدہ کی تھی۔ بہت سے مسائل میں جمہور امت کی راہ سے ہٹ گئے تھے۔ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء فوت ہوئے۔

[4] علامہ احمد محمد شاکر نے مصر میں علومِ حدیث کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہت سی قدیم کتابوں کو تحقیق و حاشیہ کے ساتھ شائع کیا۔ مسند امام احمد کی شرح اور تبویب ان کا بہت ہی قابلِ قدر کام ہے۔

[5] علامہ اقبال جنہوں نے اسلام کی نشاۃ الثانیہ کے لیے بہت کام کیا، اجتہاد اور اس کی ضرورت کے موضوع پر ان کا لیکچر "الاجتہاد فی الاسلام" بہت مشہور ہے۔

[6] سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی نے اجتہاد کی ضرورت پر بہت کچھ لکھا ہے جو ان کی مختلف تصنیفات میں بکھرا ہوا ہے۔

ہوتا ہے کہ گویا وہ اسی فن کے ماہر ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر اسی فقہی اور قانونی تحقیقات، عقائد، فلسفہ، سیاسی آراء اور تاریخ و حدیث کے متعلق تنقید و توضیح اور تصدیق پر نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے۔ نہایت دقیق رسی سے زائغین و محرفین کے الحاد و تحریف اور تاویلِ باطل کی نشاندہی کی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کی ذات ایک مکمل دائرۃ المعارف تھی۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ تحقیقی قدر و قیمت کی حامل ہے۔ اُن کی بیشتر کتابیں شائع ہو کر اہلِ علم سے دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ان میں سے چند مشہور اور قابلِ قدر کتابوں کا تعارف قاری کے لیے فائدے کا حامل ہوگا۔

۱۔ اَعْلَامُ الْمُوَقِّعِین | علامہ ابن قدامہؒ[1] کی مشہور کتاب "المغنی" اور امام ابن حزمؒ اندلسی کی کتاب "المحلّی" کے متعلق علامہ عزالدین ابن عبدالسلامؒ کا یہ قول بہت مشہور ہے۔

"اسلام کی کتابوں میں ابن حزم کی محلّی" اور شیخ موفق الدین (ابن قدامہ) کی "المغنی" سے بڑھ کر کوئی کتاب جودتِ فکر اور تحقیقِ مطالب کے اعتبار سے میری نظر سے نہیں گزری۔"

جب کبھی امام ابن قیمؒ کی "اعلام الموقعین" علامہ ابو اسحاق الشاطبیؒ[2] کی "الموافقات" اور امام شاہ ولی اللہؒ کی "حجۃ اللہ البالغۃ" کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو مجھے علامہ ابن عبدالسلام کا مذکورہ بالا قول یاد آجاتا ہے۔ جس طرح فقہ اسلام میں یہ دونوں کتابیں "جودتِ فکر" اور "تحقیق مطالب" کی حامل اور فقہائے اسلام کی آراء کا دائرۂ معارف ہیں اور کسی بھی دور میں مسلمان قانون دان ان دو کتابوں سے

[1] موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ ۵۴۱ھ میں جماعیل کے مقام پر پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں ہجرت کر کے دمشق چلے گئے۔ ۵۶۱ھ میں بغداد جا کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، ہبۃ اللہ اور ابو جسراوی جیسے علماء سے اکتسابِ علم کیا۔ ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔ پچاس کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں سے "المغنی" بہت مشہور ہے۔ اہلِ علم نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔

[2] ابو اسحاق ابراہیمؒ بن موسیٰ بن محمد لخمی، غرناطی، شاطبی اندلس میں پیدا ہوئے۔ اندلس کے جید اہلِ علم سے اکتسابِ علم کیا۔ ۱۳۸۸ء مطابق ۷۹۰ھ وفات پائی۔ "الاعتصام" اور "الموافقات" ان کی بہت مشہور کتابیں ہیں۔

مستغنی نہیں رہ سکتے اسی طرح مؤخر الذکر تینوں کتابیں اصولِ فقہ اور حکمتِ دین کی تفہیم میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ان تینوں کتابوں میں اَعلامُ المُوقّعین منقدم ہے۔ اس کے مطالعے سے احکام دین میں پوشیدہ حکمتیں اور مصلحتیں واضح ہوتی ہیں۔ یہ معرکۃ الآرا کتاب مصر میں کئی بار چھپ چکی ہے۔ ہندوستان میں آج سے بہت عرصہ پہلے (۱۳۱۳ھ) دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا محمد سورتیؒ نے "دین محمدی" کے نام سے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ دہلی سے شائع ہوا۔ اب غالباً وہی ترجمہ مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی کی تہذیب و تزئین کے بعد دوبارہ لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس لاثانی کتاب میں علامہ ابن قیمؒ نے امام احمد بن حنبلؓ کے اصولِ استنباط، بحثِ قیاس، تعلیلِ احکام، اسرارِ احکام اِفتاء کی شرائط، تغیر زمان و مکان کے ساتھ تغیرِ احکام، سدِّ ذرائع، تحریمِ حِیَل اور تقلید و اجتہاد کے علاوہ دیگر بہت سے مسائل کو موضوعِ قلم بنایا ہے۔

(باقی)

(بقیہ تعزیرات اسلام)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام "مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ" میں خطاب قاتل کو کیا گیا ہے، نہ کہ عاقلہ کو۔ یہ دلیل ہے کہ دیت ابتداءً قاتل پر واجب ہوتی ہے۔ پھر عاقلہ پر منتقل ہوتی ہے[1]۔

اور عاقلہ پر دیت اس لیے عائد کی جاتی ہے کہ قاتل درحقیقت اس پر بھروسہ کر کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور عاقلہ یعنی قاتل کی ہمدرد برادری اس کو بُرائی سے منع نہیں کرتی (یا یہ کہ انسدادِ جرائم کی مضبوط فضا بنانے کے لیے اپنے دائرے میں اس نے ذمہ داری ادا نہیں کی ۔۔۔ ن۔ ص)

(باقی)

---

[1] البدائع جلد، ص ۲۵۵

شراب کے مادّی اثرات ونتائج

(حادثات، بیماریاں اور خوفناک اقتصادی نقصانات)

از ریاض الحسن نوری

(۱)

ہمارے قریبی دوست جناب ریاض الحسن نُوری کثیر المطالعہ بھی ہیں اور بیک وقت مختلف موضوعات پر حوالوں اور اعداد وشمار سے آراستہ مضامین بھی لکھتے ہیں۔ پچھلے عرصے میں انہوں نے قدح خواران مغرب کے احوال اور شراب کے اثراتِ بد پر کئی پہلوؤں سے سوچا اور مواد جمع کیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل وہ ترجمان القرآن ہی میں اس موضوع پر ایک مضمون شائع کرا چکے ہیں۔ اب جب کہ ہمارے ہاں شراب کی مکمل حرمت کا قانون نافذ ہو گیا ہے، اور دلدادگانِ بنتِ عنب پر ایک عالمِ اضطرار طاری ہے، ریاض الحسن نوری صاحب کا ایک تازہ مضمون، شراب کے متعلق ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مضمون سرمستانِ بادۂ فرنگ کو ہوش میں لانے کا ذریعہ بنے۔ (ن۔ ص)

مغرب کے عقل پرست تو اپنے اُوپر مسلط کردہ خرابیوں اور برائیوں کی نہایت غیر عقلی حمایت کرتے ہیں، مگر ہمارے یہاں مدعی سے بڑھ کر جو چُست گواہ پائے جاتے ہیں، وہ بھی عجیب عجیب نکتے چھانٹتے ہیں۔ مثلاً حال ہی میں ان کا ایک نکتہ یہ میرے سامنے آیا کہ مشرقی لوگ شراب پی کر غل غپاڑہ کرتے ہیں جبکہ مغربی لوگ شراب پی کر کسی کو پتہ بھی نہیں چلنے دیتے۔ مجھے یہ بات سُن کر اس بات کا افسوس ہوا کہ یہاں ایسے مغرب پرست بھی ہیں جو سرے سے عام قسم کی معلومات بھی نہیں رکھتے۔

شراب نوشی سے پیدا ہونے والے جرائم آیئے ذرا ورلڈ الما نک سنہ ۱۹۷۱ء (سالانہ عالمی معلوماتی رپورٹ) کی روشنی میں دیکھیں کہ مہذب مغرب کے شراب نوشوں کا معیارِ احتیاط وشائستگی کیا ہے؟ ذرا شراب سے

متعلقہ جرائم میں گرفتار ہونے والوں کے اعداد و شمار ملاحظہ فرمالیجیے :-

جس جرم میں گرفتار ہوئے	مردوں کی تعداد	عورتوں کی تعداد
منشیات کے قوانین کی خلاف ورزی	۱۶۲،۵۲۵	۲۸،۳۹۵
نشہ میں کار چلانا۔	۲۶۷،۴۴۲	۱۸،۰۶۸
نشہ میں مدہوشی	۱،۱۸۲،۷۰۹	۹۰،۶۱۴
امن عامہ میں خلل	۴۶۰،۳۶۹	۷۷،۷۹۵
میزان	۲،۰۷۴،۰۴۵	۲۱۴،۸۷۲

عورتوں اور مردوں کی کل تعداد ۲،۲۸۸،۹۱۷ ہے۔ یعنی ۲۲ لاکھ سے زیادہ سالانہ گرفتاریاں امریکہ میں صرف شراب سے متعلق ہوتی ہیں حب کہ وہاں شراب پینے کی کھلی آزادی ہے۔

پوری لسٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنے زیادہ لوگ امریکہ وغیرہ میں شراب کے نشہ میں مدہوشی کے جرم میں گرفتار ہوتے ہیں اتنے کسی جرم میں بھی گرفتار نہیں ہوتے، بلکہ اس جرم میں گرفتار ہونے والوں اور کسی دوسرے جرم میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

شراب نوشی اور حادثات | مشہور انگریزی ہفتہ وار رسالہ ٹائمز یکم اپریل ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں صفحہ نمبر ۱۶ پر لکھتا ہے :-

"پچھلے سال امریکہ میں ۲ کروڑ کاریں، ایک کروڑ ۴ لاکھ حادثات میں ملوث ہوئیں۔ ان میں ۴۹ ہزار آدمی مارے گئے، ۱۸ لاکھ زخمی ہوئے اور ۲ لاکھ اپاہج ہوئے۔ اقتصادی طور پر تنخواہوں میں کمی دیگر مالی نقصانات اور علاج معالجہ انشورنس وغیرہ کے اخراجات کے سلسلے میں ۸۱۔ ارب ڈالر یعنی ۸۹۱۔ ارب یا ۹ کھرب ۱۹۔ ارب روپے کا کل مالی نقصان ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سفر کرنے والوں کو فی میل ایک سینٹ یعنی ۱۱ پیسے کا نقصان ہوا۔"[1]

---

[1] ۱۳ اپریل ۱۹۶۸ء کے پاکستان ٹائمز میں ایک اشتہار 10 — Renault کا چھپا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اس کار کا خرچ ۱۰ پیسے فی میل آتا ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق یہ خرچ سڑک کے حادثات کی وجہ سے دوگنا ہو جاتا ہے۔

گویا حادثات نے سفر خرچ میں معتدبہ اضافہ کر دیا۔

پھر یہی رسالہ مزید لکھتا ہے کہ:۔

" مالی نقصان کے علاوہ انسانوں کو جو مصائب اور درد و غم جھیلنے پڑتے ہیں اور جانوں کا جو نقصان ہوتا ہے[1] اس کا کوئی حساب روپے کی صورت میں تو لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ ۳۵ سال کی عمر سے کم کے نوجوانوں اور بچوں میں موت اور زخمی ہونے کا سب سے بڑا سبب سڑکوں کے حادثات ہیں اور اگر اس رفتار میں فرق نہ پڑا[2] تو آئندہ ہر زندہ دو امریکیوں میں سے ایک کو اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی حادثے میں زخمی ہونا پڑے گا۔ اور ہر ۲۰ امریکیوں میں سے ایک کو حادثاتی موت کے منہ میں جانا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ شراب پینے والے ڈرائیوروں کے سلسلے میں قانون کو سخت بنانا چاہیے۔ جو ڈرائیور حادثات میں مارے جاتے ہیں اُن میں سے ۵۰ فیصد کے متعلق پولیس کی رپورٹ یہ ہوتی ہے کہ وہ شراب کے نشے میں تھے (H.B.D.) امریکہ کو سویڈن کی مثال پر عمل کرنا چاہیے جہاں کہ عام رواج (Routine) کے طور پر مشکوک ڈرائیوروں کو روک کر تھانے لے جا کر ان کا خون ٹسٹ کرایا جاتا ہے۔ جس کے خون میں ۰۵. فی صد سے زیادہ الکوحل پائی جاتی ہے اس کو چھ ماہ جیل تک کی سزا دی جا سکتی ہے ...... سکون پہنچانے والی گولی (Tranqualizer) کا بھی اثر کار چلانے کے سلسلے میں الکوحل جیسا ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کے حساب کے مطابق ایک گولی کا مطلب ایک بار شراب پینا ہوتا ہے۔"

Kessel & Walton لکھتے ہیں:۔

"...... کار چلانے کی کارکردگی میں فرق شراب پینے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے

---

[1] بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوتی ہیں اس کا نقصان الگ ہے کیونکہ ان کا مالی بوجھ معاشرے پر پڑتا ہے۔

[2] فرق یہ پڑا ہے کہ اب ۴۹ ہزار کی جگہ ۵۵ ہزار ہر سال مر رہے ہیں یعنی زیادتی ہو چکی ہے۔ سنہ ۱۹۶۶ء سے اب تک اضافہ ہوا ہے کمی نہیں ہوئی۔

اور کوئی شخص جتنی پیتا جائے گا، اس کی کارکردگی اتنی ہی کم ہوتی جائے گی .... حقیقت یہ ہے کہ کار چلانے کی کارکردگی میں کچھ نہ کچھ فرق ذراسی شراب پینے سے بھی پڑ جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی کا چھوٹا پیگ ہو یا بیئر کے ادھے (pint) کی بھی نصف مقدار ہو..... شراب پینے والا یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ کار چلانے کے لیے ٹھیک حالت میں ہے یا نہیں بدترین پوزیشن میں ہوتا ہے...... پس شراب پینے کی مقدار اور اس کی خون میں موجودگی کی مقدار ڈرائیور کی صحیح حالت بتلانے کے لیے مکمل گائیڈ نہیں ہے۔[1]"

جو عقل کھری تھی، کی کھوٹی اس نے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

مزید یہ کہ جو لوگ جدید سائنس اور علوم کی ابجد سے بھی واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ سڑکوں پر زیادہ تر حادثات اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ڈرائیور شراب یا دوسرے منشیات کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ ناروے، سویڈن وغیرہم میں پولیس کو اس بات کی اجازت ہے کہ جس ڈرائیور کو چاہے روک کر اس کا پیشاب یا خون ٹسٹ کرا کے معلوم کرے کہ آیا وہ شراب تو نہیں پئے ہوئے ہے اگر معلوم ہو جائے کہ ۰٫۱ فیصد کے قریب شراب خون میں موجود ہے تو سزا دی جاتی ہے۔ امریکہ میں ہر سال پچاس ہزار سے زیادہ لوگ سڑک کے حادثات میں مارے جاتے ہیں۔ دیگر حادثات بھی شمار کر لیے جائیں تو کل حادثات کی تعداد ۱۰۷,۰۰۰ ہو جاتی ہے۔ ان حادثات کے واقع ہونے میں منشیات کا بڑا ہاتھ ہے۔ پس شراب کو بند کرنے کا مطلب حادثات کو روکنا ہے۔ حادثات میں انسانی جان کے علاوہ گاڑیوں کی ٹکر سے واضح اقتصادی نقصان بھی ہوتا ہے۔ اگر لوگوں کی جانوں کی پروا نہیں تو مال کی پروا کرلو کیونکہ تم پر تو دولت کی محبت، اقتصادیات کا بھوت سوار ہے۔[2]

میرے سامنے اس وقت انگلینڈ کا چھپا ہوا سرکاری ہائی وے کوڈ ہے۔ اس کے سرورق کے اندر

---

[1] p. 26, 27, 28 "Alcoholism"

[2] اس سلسلے میں ایک مضمون When drinking and driving mix مفید رہے گا
ریڈرز ڈائجسٹ جنوری ۱۹۷۱ء میں چھپا تھا۔

جلی حروف میں یہ ہدایت درج ہے کہ شراب کی معمولی سی مقدار کے استعمال سے بھی سڑک پہ آپ کے تحفظ میں کمی آ جائے گی۔ پس محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ جب آپ کو کار چلانی ہو تو شراب نہ پئیں۔ اور دوا کے طور پر کوئی مسکن دوائی بھی استعمال نہ کریں۔

Plain Ttruth رسالہ بابت ستمبر ۱۹۶۹ء لکھتا ہے کہ اعداد و شمار کے حساب سے ستمبر ۱۹۷۰ء تک صرف کینیڈا اور امریکہ میں ۵۵ ہزار آدمی ٹریفک کے حادثات میں مارے جائیں گے اور ۵۰ لاکھ زخمی ہوں گے۔ مگر بعد کے اعداد و شمار سے پتہ چلا کہ صرف امریکہ میں ۵۵ ہزار سے زیادہ مارے گئے۔

پچاس لاکھ دماغوں کا ڈاکو

Milton Golin کا ایک مضمون بعنوان Robber of Five Million Brains یعنی پچاس لاکھ دماغوں کا ڈاکو، امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کے جرنل میں چھپا تھا۔ اس میں شراب کی تباہ کاریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اس کے آخر میں وہ یوں رقمطراز ہیں:-

"Drink has taken five million men and women in the United States, taken them as a master takes slaves, and new acquisitions are going on at the rate of 200,000 a year" [1]

یعنی امریکہ میں شراب پچاس لاکھ دماغوں پر قبضہ کیے ہوئے ہے[1]۔ ٹھیک اس طرح سے جیسے مالک غلاموں پر قبضہ رکھتا ہے۔ اور ہر سال مزید دو لاکھ نئے افراد اس کی غلامی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ذرا سوچیے کہ سڑکوں پر ان دماغوں کی چوری سے کتنے حادثات ہوتے ہیں۔ DELAWARE- کے سروے اور تحقیقات کے مطابق ٹریفک کے حادثات میں سے پچاس فیصد حادثات کی وجہ شراب نوشی

1. P. 1496, Journal of American Medical Association, 19th July, 1958.

ہوتی ہے[1]۔ گویا کم ازکم پچاس فی صد حادثات تو یقینی طور پر محض شراب کے مرہون منت ہیں۔ بقایا میں شراب میں کتنا حصہ ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ امریکہ کے ایک مشہور معالج یعنی ڈاکٹر S.I. Mc MILLEN M.D جن کی کتاب کے ایک مضمون سے ہم نے اس مضمون کی تیاری میں فائدہ اٹھایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ نیویارک میں حکومت کے محکمہ صحت اور کارنل یونیورسٹی کی متحدہ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ایسے ڈرائیور جن کی وجہ سے حادثات ہوئے اور وہ ان میں مارے گئے ان میں سے ۴۳ فیصد شراب کے نشہ میں تھے۔ نیویارک کے ویسٹ چیسٹر کے علاقے میں ان ڈرائیوروں کا خون ٹسٹ کیا گیا جو اکیلی کار (یعنی کسی دوسری گاڑی کی ٹکر کے بغیر) کے حادثے میں مارے گئے تھے۔ اس طرح کے ۸۳ ڈرائیوروں کا خون ٹسٹ کیا گیا تو پتہ چلا کہ ان میں سے ۷۹ فیصد شراب کے زیر اثر تھے[2]۔

غور فرمایئے کہ نیویارک کی حکومت کے محکمہ صحت کا سرکاری بیان ہے۔ اس سے مستند اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ پس ثابت ہوا کہ اگر شراب بند کر دی جائے تو حادثات میں ۵۰ تا ۸۰ فیصد کمی واقع ہونا لازمی ہے۔

ماہر نفسیات Dr. ROPP شراب کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس غارت گر حیات زہر پر (کیونکہ کوئی باضمیر فارموکولوجسٹ اس کو اس سے بہتر نام نہیں دے سکتا)۔ امریکہ کے لوگ جتنا روپیہ خرچ کرتے ہیں وہ نہ اپنے بچوں کی تعلیم پر کرتے ہیں، نہ بیماروں کی نگہداشت پر اور نہ اپنے خدا کی بڑائی کے لیے[3]۔"

ایک عام فرانسیسی، کسی امریکی سے بھی بڑھ کر شراب پر خرچ کرتا ہے ــــ وہ ایک امریکی کی نسبت

---

[1] P. 1149, ibid, dated 30th March, 1957

[2] New York State Department of Health Bulletin (Vol XIV, 29th May, 1961, Page 85) and (Vol. XI 14th July 1958, Page 113) by the reference of "None OF THESE DISEASES" by S.I. McMILLEN, M.D-P 26,

[3] P. 120, DRUGS AND THE MIND.

شراب پر پانچ گنا خرچ اٹھتا ہے۔

یاد رہے کہ شراب کی وجہ سے وہ زہریلی اشیاء بھی جسم میں جذب ہو جاتی ہیں جن کا خون میں داخل ہونا شراب کے بغیر ممکن نہ تھا۔[1]

شراب کے استعمال سے ہر طرح کے جرائم میں اضافہ ہوتا ہے اور حماقت اور کم عقلی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مالی اور جانی نقصان کا ذکر تو ہم کر چکے ہیں، شراب کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ اس کے اثر سے لوگ احمق و پاگل بن کر کمانے کے ناقابل ہو جاتے ہیں اور دوسروں پر اقتصادی بوجھ بن جاتے ہیں۔ پس شراب پر بندش کا معاملہ روحانی تو ہے ہی، شاید اس سے کہیں بڑھ کر اقتصادی و مادی بھی ہے۔[2]

جب سر پہ پڑتی ہے تو ہوش آتی ہے۔ جس طرح سٹالن نے اپنے زمانے میں مخلوط تعلیم پر پابندی لگا دی تھی۔ اسی طرح لینن نے اپنی آزاد خیالی کے باوجود ایک مرتبہ یہ کہا کہ پرولتاری ایک ابھرتا ہوا طبقہ ہے۔ ان کو احمق بنانے یا تحریک دینے کے لیے نہ کسی شراب کی ضرورت ہے اور نہ جنسی بے راہ روی کی۔[3]

(باقی)

---

[1] PP. 70, 104 "ALCOHOL : ITS ACTION ON HUMAN ORGANISM.

[2] ALCOHOL, SCIENCE AND ISLAM by RIAZULHASAN with an Introduction by Dr. S.M.K. WASTI M.B.B.S., F.C.P.S., F.R.C.P. etc.

[3] P. 103, LENIN ON THE EMANCIPATION OF WOMEN.

رسائل ومسائل

مائدۂ سماویہ کا نزول وعدم نزول

ملک غلام علی صاحب

سوال:۔ میں تفسیر تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنے والا اور مولانا مودودی کی تصانیف کا شیدائی ہوں لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک بالمشافہ ملاقات سے محروم ہوں۔

آپ کی توجہ تفہیم القرآن میں سورۃ المائدہ (آیت ۱۱۲) کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اس آیت کی تشریح ابھی تک میری سمجھ سے بالاتر ہے اور میں نے اس بارے میں کئی رفقائے کار سے رابطہ قائم کیا لیکن کسی نے میری تشنگی نہ بجھائی۔ آیت:۔

هل يستطيع ربك ان ينزل علينا مائدة من السماء الخ

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مائدہ نازل ہوا ہے یا نہیں، قرآن اور معتبر روایات اس بارے میں خاموش ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں تنبیہ عذاب کی وجہ سے انہوں نے اس مطالبہ سے روگردانی اختیار کی ہو۔ مجھے اس تفسیر سے مکمل اتفاق ہے۔ لیکن گذشتہ روز ایک مترجم قرآن مجید کے حاشیے میں میری نظر سے اس آیت کے بارے میں یہ روایت گذری۔

عمار بن یاسرؓ روایت کرتے ہیں کہ مائدہ نازل ہوا تھا۔ اس میں گوشت اور روٹی کھانا تھا۔ نزول کے بعد بعض لوگوں نے ناحق شناسی کی وہ خنزیر اور بندروں کی شکل بن گئے۔ نیز یہ روایت ابن کثیر اور تفسیر "لپشتو" میں بھی منقول ہے۔

عرض ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں مجھے مکمل جواب سے روشناس فرمائیں۔

جواب: آپ نے تفہیم القرآن، سورۂ مائدہ کے تفسیری حاشیہ ۱۲۹ کو صحیح اور مکمل طور پر نقل نہیں کیا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"قرآن اس باب میں خاموش ہے کہ یہ خوان فی الواقع اتارا گیا یا نہیں۔ دوسرے کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ نازل ہوا ہو اور ممکن ہے کہ حواریوں نے بعد کی خوفناک دھمکی سن کر اپنی درخواست واپس لے لی ہو۔"

آپ نے اس پر اپنا اشکال پیش کیا ہے کہ ترمذی میں ایک روایت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا جس میں گوشت اور رکھا تھا ...... اس میں شک نہیں کہ سنن ترمذی، کتاب التفسیر میں ایسی حدیث مروی ہے جس کا متن یہ ہے:۔

عن عمار بن یاسر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انزلت المائدة من السماء خبزاً و لحماً و امروا ان لا یخونوا ولا یدخروا لغد فخانوا وادخروا و رفعوا لغد فمسخوا قردة وخنازیر۔

(حضرت عمارؓ بن یاسر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے ایک خوان روٹی اور گوشت کا اترا تھا اور اہل کتاب کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں خیانت نہ کریں مگر انہوں نے خیانت کی اور دوسرے دن کے لیے بچا کر رکھا تو انہیں مسخ کر کے بندر اور خنازیر بنا دیا گیا)۔

اس روایت کو نقل کر کے خود امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کو متعدد راویوں نے حضرت عمارؓ بن یاسر سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ یعنی ان کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے۔ صرف ایک راوی حسن بن قزعہ نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان روایات میں سے ایک کی سند امام ترمذی نے سعید بن ابی عروبہ تک بیان کی ہے اور پھر فرماتے ہیں:۔

عن سعید ابن ابی عروبہ نحوہ ولم یرفعہ وھذا اصح من حدیث الحسن بن قزعہ ولا نعلم للحدیث المرفوع اصلاً۔

(سعید بن ابی عروبہ سے اسی مضمون کی روایت مروی ہے جسے انہوں نے آنحضورؐ تک مرفوع نہیں کیا۔ یہ حسن بن قزعہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور اس طرح کی حدیث مرفوع کی کوئی اصل

ہمیں معلوم نہیں ہے)۔

امام ترمذی کی اپنی تنقید سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آسمان سے مائدہ نازل ہونے والی روایت کی سند جس صحت کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر تک پہنچتی ہے، اس صحت و قوت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتی۔ ترمذی کے بعض نسخوں میں ھذا حدیث غریب کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ مثلاً تحفۃ الاحوذی بشرح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری میں یہ الفاظ مطبوعہ ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اس تفسیر/روایت کی نسبت قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتی تو یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ ہوتا کہ مائدہ نازل ہوا یا نہیں، لیکن تقریباً تمام مفسرین نے ۔ ۔ ۔ اس آیت کے تحت مختلف اقوال نقل کیے ہیں، جو نزول اور عدم نزول دونوں کے حق میں ہیں۔ چنانچہ تفسیر طبری میں بیان الخلاف فی المائدہ نزلت ام لا وما ھی - (اس اختلاف کا بیان کہ مائدہ نازل ہوا یا نہیں اور وہ کیا تھا؟) کے تحت ہر دو گروہوں کے متعدد اقوال منقول ہیں۔ مائدہ نازل ہونے کی تائید میں وہ روایت بھی اسی سند کے ساتھ موجود ہے جو جامع ترمذی میں مرفوعاً مروی ہے اور دوسری روایات بھی ہیں جو حضرت عمار پر موقوف ہیں۔ پھر حضرت حسن بصری، مجاہد سے وہ روایات منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مائدہ نہیں اُتارا گیا اور جب انہیں کفرانِ نعمت پر عذاب کی وعید سنائی گئی تو حواری اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مائدہ نازل نہیں فرمایا۔ ابن کثیرؒ نے دوسرے گروہ کے بارے میں لکھا ہے:

> "اس کے قول کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ عیسائیوں کے ہاں نزول مائدہ کی خبر متعارف نہیں اور یہ اُن کی کتاب میں بھی مذکور نہیں۔ اگر مائدہ اُتار اگیا ہوتا تو یہ واقعہ ایسا تھا کہ اس کے نقل ہونے کے اسباب و دواعی وافر تھے اور ان کی کتاب میں تواتر سے اس کا بیان موجود ہوتا، یا کم از کم روایات آحاد ہی ہوتیں، واللہ اعلم۔"

بعض تفاسیر مثلاً زاد المسیر ابن جوزی میں حضرت مجاہد تابعی کا قول یوں منقول ہے کہ حواریوں کو مائدہ کی جھلک دکھائی گئی تھی اور بتایا گیا کہ اس کے بعد کفر پر عذاب نازل ہوگا تو انہوں نے اس ذمہ داری سے انکار کیا، چنانچہ خوان نازل نہیں ہوا (عرضھا علیھم واخبرھم انہ العذاب ان کفروا فابوھا فلم تنزل)۔ اس قول کا حاصل بھی یہی ہے کہ نزول مائدہ نہیں ہوا اور نزولِ عذاب کی

نوبت بھی نہیں آئی۔

بہرحال دونوں طرح کے اقوال مروی ہیں، اگرچہ جمہور مفسرین نے ترجیح نزول مائدہ والے قول کو دی ہے۔ تاہم اپنے استدلال میں حدیث مرفوع پر انحصار کرنے کے بجائے انہوں نے قرآن مجید سے بالواسطہ استنباط کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرمادیا کہ: اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ (میں اسے تم پر اتارنے والا ہوں گا) تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہاں جو مشروط انداز قرآن مجید میں اختیار کیا گیا ہے درحقیقت اس سے مقصود تخویف و تنبیہ اور وعید و ترہیب ہے کہ یہ لوگ ایسے بے جا مطالبات سے باز آجائیں۔ ورنہ اللہ کے لیے ان کا پورا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس ارشاد ربانی کو جو نزولِ مائدہ سے متعلق ہے، پورے سلسلہ بیان اور سیاق کلام میں دیکھنا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ آپ کا رب ہم پر آسمان سے ایک خوانِ نعمت اتار سکتا ہے؟ ان کی دلجوئی اور اطمینان کے لیے حضرت عیسیٰؑ نے دعا مانگی جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ہمارے لیے یہ مطالبہ پورا کرنا نہایت آسان ہے۔ اتارنے کو تو ہم اپنی قدرتِ کاملہ سے جب چاہیں ایسا مائدہ اتار دیں گے مگر اس کے بعد جو ناشکری کرے گا اسے ایسا عذاب ہوگا جو اپنی مثال آپ ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہ مطالبہ حواریوں کی طرف سے تھا، جو گنتی کے چند افراد تھے۔ ترمذی کی روایت اور دوسری روایات جن میں نزول مائدہ کے بعد ان کے کافرانہ رویے کا ذکر ہے۔ ان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان میں سے کتنے افراد نے کفر کیا۔ ظاہر الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب نے یا اکثریت نے ایسا کیا ہوگا۔ اور بندر اور خنزیر بنا دیے گئے۔ اگر ایسا ہو تو نزولِ مائدہ کا دن ان کے لیے یوم عید نہیں ہوسکتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کی دعا کا مقتضیٰ تھا بلکہ وہ ان کے لیے یوم ماتم ہوتا۔ اور حضرت عیسیٰ کے رفقاء اگر ایسی کوتاہی کے مرتکب اور ایسی سخت سزا کے مستحق بنتے تو انہیں وہ ایمان، ثابت قدمی اور غلبہ کیسے نصیب ہوتا جو تاریخ سے ثابت ہے اور جس کی تصدیق خود قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو بقیہ بنی اسرائیل کے کفر کے بالمقابل حواریوں کے مسلمان اور انصار اللہ ہونے کی شہادت دی ہے اور فرمایا ہے:

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (اٰلِ عمران - ۵۳)

(حواریوں نے جواب دیا "ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، گواہ رہ کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے والے) ہیں۔ مالک جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے)۔

پھر فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۔ (الصف - ۱۴)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو جس طرح عیسیٰؑ ابن مریم نے حواریوں کو خطاب کر کے کہا تھا "کون ہے اللہ کی طرف (بلانے میں) میرا مددگار"؟ اور حواریوں نے جواب دیا تھا: "ہم ہیں اللہ کے مددگار" اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے)۔

مطبوعات

حضرت عثمانؓ شہید
مؤلف: محمد بن یحییٰ بن ابی بکر مالکی
تحقیق و ترتیب: ڈاکٹر محمد یوسف زاید
ترجمہ: کوکب شادانی
ناشر: نفیس اکیڈیمی - کراچی نمبر ۱
ضخامت: ۲۳۰ صفحات۔
طباعتی معیار متوسط اچھا۔
بڑی تقطیع۔ مجلد قیمت درج نہیں

خلافتِ راشدہ کے نظامِ عدل و احسان کے خلاف "سبائی مجوسی" سازش کا سلسلہ دَورِ فاروقی سے چلتا ہے۔ اس وقت سازش زیرِ سطح تھی اور اس نے پہلا وار حضرت عمرؓ پر کیا اور اُن کو شہید کر دیا۔ دَورِ عثمانی میں وہ اُبھر کر سطح پر آگئی اور تمام معاشرے میں اس کے سرطانی ریشے پھیلتے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو بھی خون میں نہلا دیا۔ حضرت عمرؓ پر انفرادی حملہ کیا گیا تھا، مگر حضرت عثمان کے خلاف دھوم دھڑلے سے ہلّہ بولا گیا اور حضرت عثمانؓ کے بعد تو اس تخریبی فتنے کا طوفان اتنا بڑھا کہ حضرت علیؓ کو ایک لمحہ چین نہ لینے دیا۔

ماحول جب خراب ہونے لگے، کوئی فتنہ پرورش پائے تو پھر معاملات اُلجھنے لگتے ہیں۔ مرکزی ادارے یا شخصیت کے خلاف بے شمار غبار پھیل جاتا ہے۔ ایسی ہی صورت حضرت عثمانؓ کو درپیش تھی۔ معاملہ تنہا حضرت عثمانؓ کا نہ تھا۔ اُن کے لیے کارِ خلافت میں درجۂ اول کے صحابہ کی جو قوت ذریعہ معاونت و تقویت تھی، فتنوں نے اس کے ہر فرد کو عجیب پیچیدگیوں سے دوچار کر دیا۔ مثلاً اس کتاب میں ایک واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، میں نے اسے عبرت کی نگاہ سے پڑھا کہ بُرائی کی طاقتیں جہاں زور پکڑتی ہیں وہاں اچھائی کے علمبردار کیسی کیسی مشکلوں میں پڑ جاتے ہیں۔ کوفہ میں مخلصین و صادقین میں پہلی نزاع یہ سامنے آئی کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے درخواست کی کہ انہیں بیت المال سے کچھ روپیہ قرض دیا جائے۔ قرض دے دیا گیا۔ سعد بن ابی وقاص حسب وعدہ ادا نہ کر

سکے ۔ نتیجہ یہ کہ دونوں بزرگوں کے درمیان سخت کلامی ہوئی ۔ بات حضرت عثمانؓ تک پہنچی تو انہوں نے دونوں کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا ۔ پس اسی طرح شاخ در شاخ معاملات آگے بڑھتے جاتے ہیں ۔ اور سارے معاملات کی آخری زد حضرت عثمانؓ پر جا پڑتی ہے ۔ یہ کتاب اسی پیچیدگیٔ احوال کو سامنے لاتی ہے جس کے درمیان حضرت عثمانؓ کو سازش کاروں نے گھیر دیا تھا پیچیدگیٔ احوال کا تو کوئی حل نہ نکلا حضرت عثمانؓ نے اپنی جان کی بازی لگا دی ۔ پھر حضرت علیؓ جدائی کی قوتوں کا نشانہ بنے ۔ آخر میں احتجاج کا علم حضرت امام حسینؓ نے بلند کیا ، مگر موجِ خون اُن کے اور اُن کے گھر والوں اور اُن کے رفیقوں کے سروں سے بھی گذر گئی رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔

تاریخ کے اس خونی کھیل میں جسے ہمارے نقطۂ نظر سے "سبائی ، مجوسی ، یہودی" سازش کاروں نے رچایا تھا ، حضرت عثمانؓ مقامِ اخلاص پر انتہائی مظلومیت کے باوجود صبر و عزم کا پیکر بنے آخر دم تک ڈٹے رہے ۔ انہوں نے کسی مرحلے پر خلافتِ راشدہ کا علم سرنگوں نہیں ہونے دیا ۔ آنجناب ایک بہادر اور مظلوم شہید تھے ۔ رضی اللہ عنہ ۔

تمام صحابۂ کرام فرقِ مراتب کے باوجود صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھے ، اُن میں خلفائے راشدین کا درجہ بہت بلند ہے ۔ اور چاروں کے چاروں اخلاص و بصیرت سے آراستہ تھے مصلحتی اقدامات اور تدبیروں اور اجتہادات اور کام کرنے کے نقطہ ہائے نظر میں کوئی سے دو افراد میں بھی فرق ہوگا ، طبائع کا فرق بھی ہوگا اور معاشرے کے احوال کے مطابق نتائج و اثرات میں بھی فرق ہوگا ۔ ان چیزوں پر دیانت دار اہل نظر خاص اس مقصد سے غور و فکر کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کر سکتے ہیں کہ ویسے حالات پھر پیش نہ آئیں ۔

یہ کتاب سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رتبہ بلند کو نمایاں کرتی ہے اور تاریخی بحران کا مقابلہ کرتے ہوئے مختلف معاملات میں جو موقف آنجناب نے اختیار کیا ، اس کی وضاحت کرتی ہے ۔

علمِ حدیث میں
پاک و ہند کا حصّہ
مؤلف: ڈاکٹر محمد اسحٰق
ترجمہ: شاہد حسین رزاقی
ناشر: ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور
قیمت: مجلد ۱۶ روپے

یہ ایک اچھی قابلِ قدر کتاب ہے۔

پاکستان میں اسلامی رجحانات کی جو رَو تشکیل پاکستان کے بعد مسلسل تیز تر ہوتی جا رہی ہے اس کا بڑا گہرا اثر علوم اور لٹریچر پر پڑا ہے۔ دینی موضوعات پہ کتابوں اور مضامین اور شعری و نثری ادبیات میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔

زیادہ اہم کاوشیں وہ ہیں جو درجۂ اوّل کے دینی علوم کے متعلق ہیں۔ مثلاً تفسیری لٹریچر، احادیث کے تراجم و تشریحات، فقہ و تصوّف یا قانون و اخلاق سے متعلق تراجم و تحقیقی کتب، اسلامی سیاسیات و معاشیات کی بحثیں، رسولؐ پاک اور صحابہ کرام کے علاوہ دیگر رجالِ عظیم کی سیرت و سوانح اور تاریخ اسلامی پہ اچھی اچھی کتابیں۔ یہ گویا مغربی سیکولرازم کے زہریلے اثرات کے خلاف فکرِ اسلامی کا تریاق ہے۔

زیرِ توجہ علوم میں سے اول درجے کی اہمیت کا ایک بڑا علم، حدیثِ نبویؐ سے متعلق ہے۔ علم حدیث کے دائرے میں برصغیر پاک و ہند کی وسیع خدمات کا اندازہ علامہ رشید رضا مصری کے ایک فقرے سے کیا جا سکتا ہے جس سے کتاب کے مقصد کا آغاز کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اگر ہندی مسلمان علم حدیث کی ترقی و اشاعت کے لئے اس قدر جانفشانی سے کام نہ کرتے تو یہ علم اب تک ختم ہو چکا ہوتا"

سندھ کی طرف عرب مسلمانوں کے ابتدائی فوجی اقدام اگرچہ دورِ فاروقی (۱۵ھ تا ۲۳ھ) میں اور مزید اقدامات دورِ علوی (۳۸ھ تا ۴۴ھ) میں ہوئے مگر باقاعدہ طور پہ فتوحاتِ سندھ وغیرہ کی تکمیل ۹۴ھ تک ہوئی۔ حالات میں ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہوا تو علمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ علم حدیث برصغیر میں داخل ہونے سے پہلے ترقی اور تدوین کے اہم مراحل طے کر چکا تھا۔ اس ترقی یافتہ سرمایۂ علم کے ساتھ برصغیر میں کام شروع ہوا۔ صحیح معنوں میں علم حدیث کی توسیع و ترقی کا کام تیسری صدی ہجری کے اواخر میں منصورہ اور ملتان کی عرب ریاستوں کے قیام کے بعد ہوا۔ سندھیوں کی ایک جماعت پہلے سے عراق میں سکونت پذیر ہو کر خاصا کام کر رہی تھی۔ شام میں الاوزاعی (وفات ۱۵۷ھ) مدینہ منورہ اور بغداد میں نجیح السندی (وفات ۱۷۰ھ) خراسان میں رجاء السندی (وفات ۲۲۲ھ) احادیث کے جامعین و مرتبین میں شمار

ہوئے منصورہ وملتان کے مراکز حدیث کے بعد دوسرے دور میں لاہور مرکز بنا جبکہ محمود غزنوی کا علم لہرا رہا تھا۔

زیر نظر کتاب میں مختلف ادوار کے مراکز حدیث اور متعلقہ شخصیتوں کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے محدثین کے متعلق مختصر سوانحی نوٹ درج ہیں اور علم حدیث میں ان کی خاص خدمات کا بیان ہے بعض اہم شخصیتوں کا بیان زیادہ تفصیلی ہے جہاں جہاں ضرورت تھی، تاریخی احوال کو بطور پس منظر سامنے لایا گیا ہے۔ ہم اردو زبان میں اس مفید کتاب کی اشاعت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

صدیقی ٹرسٹ کے تبلیغی پمفلٹ کراچی کے صدیقی ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نے عقائد، عبادات اور دینی احکام وشعائر کے متعلق چیدہ چیدہ مضامین کو پمفلٹوں کی شکل میں چھاپا ہے ان پمفلٹوں کا مقصد تبلیغی ہے اور ان کا اسلوب اصلاحی، کہیں کہیں کوئی مقام اختلاف بھی آسکتا ہے اور کسی معاملے میں وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، مگر بہ حیثیت مجموعی ہم ان پمفلٹوں کو مفید قرار دیتے ہیں۔ بعض اصحاب علم سے صدیقی ٹرسٹ نے رائیں لی ہیں اور بیشتر ناقدانہ آراء کو قبول کیا ہے۔ پمفلٹوں کی تعداد بیس[۲۰] ہے (ممکن ہے اس میں اضافہ ہوا ہو) ان کی زبان سادہ ہے اس لئے طلباء اور مستورات کے علاوہ کم تعلیم رکھنے والے شہری بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان رسائل کے مضامین کو جو بھی چاہے خود بھی شائع کر سکتا ہے اور تبلیغی مقاصد کے لئے ٹرسٹ سے مفت حاصل کر کے تقسیم بھی کر سکتا ہے۔ ٹرسٹ کے اس کام کو پسند کرنے والے حضرات اس میں تعاون بھی کر سکتے ہیں۔ کسی پمفلٹ پر قیمت درج نہیں۔

ملنے کا پتہ:۔ صدیقی ٹرسٹ، ٹھٹائی کمپاؤنڈ، ایم اے جناح روڈ کراچی۔

(بقیہ اشارات) بھی کرم کچھ زیادہ نہ تھا۔ حال ہی میں جوہری توانائی کے مسئلے کو آڑ بنا کر امریکہ نے اپنی برائے نام سی امداد بھی ختم کر دی ہے۔ صومالیہ کو سکڑ کر بیٹھ رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ نائیجیریا میں بہت عرصے سے عیسائی اقلیت مسلم اکثریت پر مسلط ہونے کی کوشاں رہی ہے۔ پھر لبنان میں اسی مقصد سے بڑی لمبی تباہ کار خانہ جنگی ہوتی رہی۔ اب یوگنڈا میں ایک انقلابی جنگی کارروائی کے ذریعے مسلمان صدر کو ہٹا کر عیسائی صدر کو تخت صدارت پر بٹھایا گیا ہے۔ فلپائن اور اریٹریا کے مسلمان عیسائی اکثریت کے ہاتھوں پستے پستے اب کئی برس سے بقاء کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ قبرص میں مسلم عیسائی کشمکش ایک جگہ رکی ہوئی ہے۔ بھارت میں قیام پاکستان سے لے کر اب تک تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد مسلم کش فسادات کی کالی دیوی سیاسی عناصر کی پشت پناہی کے ساتھ غنڈوں کو آلۂ کار بنا کر نمودار ہوتی ہے اور مسلم اقلیت کو نئے چرکے لگا کے رخصت ہوتی ہے، جیسا کہ اس وقت جمشید پور میں ہوا۔

پس ہم مسلمانوں کو یہ شعور ہونا چاہیے کہ —— لادینی، اشتراکی، صہیونی، صلیبی اور برہمنی —— قوتوں کی ایک عالمی سازش ہمارے خلاف کام کر رہی ہے جس کے مختلف محاذ مختلف علاقوں میں الگ الگ انداز سے کام کر رہے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ ہمارے قلعۂ ملت پر چاروں طرف سے گولہ باری ہو رہی ہے۔ ایسے نازک لمحے میں اسلام کا احیاء تو بڑا کام ہے، محض اپنی بقاء کے لیے بھی اتحاد شدید طور پر ناگزیر ہے۔

قلعۂ ملت جب اس طرح چوطرفہ حملے کی زد میں ہو تو ایسے وقت میں اگر کچھ لوگ تفرقہ پردازی کی مہم شروع کر دیں —— وہ ہر کلامی، فقہی اور علامتی اختلاف کی بنا پر لوگوں کی تکفیر و تفسیق اور تحقیر و تفضیح کرنے لگیں، وہ بات بات پر نمازیں اور مسجدیں الگ الگ کرنے لگیں، مسجدوں پر چڑھائی کر کے ان پر قبضہ جمانے کی اسکیم اختیار کر لیں اور اپنے طرز کے مسلمانوں کے علاوہ کسی کے ساتھ مل بیٹھ نہ سکتے ہوں۔ احیائے اسلام کی عظیم مہم کو سر کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ تعاون نہ کر سکتے ہوں، اور مسلمانوں کے ایک گروہ میں دوسرے مسلمانوں کے خلاف نفرت کا زہر پھیلا دیں، مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلائیں، تو اس سے کیا سمجھا جائے۔

یہ سمجھا جائے کہ یہ محض نادانی ہے، یا یہ خیال کیا جائے کہ قلعۂ ملت پر باہر سے گولہ باری کرنے والی قوتوں نے ہی ان کو آلۂ کار بنا لیا ہے۔ کیونکہ ان کا رویہ ایسا ہے کہ جو ملت پر حملہ آور قوتوں کو فتح دلانے کا باعث بن سکتا ہے۔

کاش کہ ایسے عناصر یہ سیدھی سی بات سوچ سکیں کہ تقسیم برصغیر کے وقت جو مسلم کشی ہوتی تھی اس وقت کسی نے نہیں پوچھا کہ تم دیوبندی ہو یا ندوی، وہابی ہو یا بریلوی، تبلیغی جماعت کے آدمی ہو یا جمعیت علماء ہند کے —— حتیٰ کہ یہ فرق بھی ختم ہو گیا کہ کون مسلم لیگی ہے اور کون کانگریسی —— ہر وہ شخص جو محمد رسول اللہ کی اُمت سے متعلق تھا وہ مسلم دشمن قوتوں کا نشانہ بن گیا۔ کیا سابق مشرقی پاکستان جب بنگلہ دیش میں بدلا تھا تو اس وقت جو خون خرابہ ہوا اس میں بھارتی فوج یا مکتی باہنی نے کوئی ایسی فہرستیں بنائی تھیں کہ کون لوگ اصلی اہل سنت ہیں اور کون معمولی قسم کے اہل سنت؟

کیا آج جمشید پور کے فسادیوں نے مسلمانوں کو تباہ کرتے ہوئے ایسا کوئی فرق کیا ہے؟ کیا افغانستان، یمن، چاڈ، ارٹریا اور فلپائن کے مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہوئے قاتلوں نے یہ پوچھا کہ تم کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہو۔ دُنیا کی ہمارے ساتھ جنگ بریلوی، دیوبندی، وہابی کی بنیاد پر نہیں، مسلم ہونے یا اسلام کو قائم کرنے کے علمبردار ہونے کی بنا پر ہے۔ اس طرح کی مخالفِ اسلام جنگ کا مقابلہ کوئی ایک فرقہ نہیں کر سکتا، کجا کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے والا فرقہ —— اس طرح کی جنگ تو صرف وحدتِ ملتِ اسلامیہ کے وسیع محاذ سے لڑی جا سکتی ہے۔ اگر تحریکِ پاکستان فرقوں کی بنیاد پر اُٹھتی اور اندرونی طور پر ایک ایک جزئی مسئلے پر جنگ و جدل کے محاذ کھلے ہوتے تو پھر کیا ممکن تھا کہ پاکستان بن سکتا؟ کیا ستمبر ۱۹۶۵ء کا جہاد کسی خاص فرقے کے لڑنے سے ہوا؟ کیا ۱۹۷۷ء کی تحریک بریلویت کی بنیاد پر چلی اور عوام نے یہی مقصود ذہن میں رکھ کر بیش بہا قربانیاں دیں کہ بریلوی راج قائم ہو جائے؟ یا دیوبندی یا اہل حدیث کی فرقہ وارانہ سلطنت بن جائے۔

ہمارا کوئی مقام اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے جزئی اختلافات کو بغیر کسی شدت و عدم شائستگی کے گوارا کرتے ہوئے اصولیات اور ایمانیات پر متحد ہوں اور اس کلیے کی اسپرٹ

کو مانیں کہ "چار وں امام برحق" - ہم اپنے آپ کو ایک بڑی محمدی فوج کی رجمنٹوں کی حیثیت سے دیکھیں کہ جن کے "کلر" اور "نشان" اور سالار الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ان کا تعلق ایک ہی محاذ سے ہے اور اُن کی لڑائی کفر اور طاغوت کی عالمگیر قوتوں سے ہے - یہ رجمنٹیں اگر خود اپنے ہی محاذوں کے اندر لڑائیاں چھیڑ دیں تو پھر ہو چکی فتح !

آج جب کہ پاکستان میں ہزار مشکل ادوار کے بعد اقامتِ دین اور احیائے اسلام کا ایک موقع پیدا ہوا ہے، اس مرحلے میں خدا کے ایک ایک پرستار اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک محب کا فرض ہے کہ وہ اپنے دماغ، اپنے جذبات، اپنے جسم، اپنے مال اور اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ غلبۂ دین کی اُن متحدہ مساعی میں کھپا دے جو اس وقت ہو رہی ہیں۔ اس میں اگر کوتاہی کی گئی تو فوری طور پر دنیا میں بھی کچھ نتائج بھگتنے ہوں گے اور آخرت کی جوابدہی تو بہت سخت ہوگی - پوچھا جائے گا کہ ہم نے قرنوں بعد تمہارے لیے ایک موقع پیدا کیا تھا کہ تم دینِ حق کو غالب کرو - لیکن تم نے اس وقت اس بڑے کام کو کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بہت ہی اصلی مسلمان سمجھتے ہوئے مسلمانوں کی صفوف کو پھاڑنے میں اپنی قوتیں کھپا دیں - اب بتاؤ، تمہارا جواب کیا ہے ؟

یہ جواب دینا بڑا مشکل ہوگا اور کسی لیڈر اور کسی مولوی اور کسی پیر کی مدد سے چھٹکارا نہ ہو سکے گا۔

اس موقع پر جب میری توجہ اس بات پر جاتی ہے کہ مختلف مذہبی گروہ الگ الگ اپنی کانفرنسیں کر رہے ہیں، تو مجھے تمنا ہوتی ہے کہ کاش کہ سب مل کر "وحدتِ ملت کانفرنس" منعقد کریں - بصورتِ دیگر اپنی کانفرنسوں سے تفرقہ کی بولیاں بولنے کے بجائے اتحاد بین المسلمین کی صدا بلند کریں ۔ تمام دینی بزرگوں کا کام یہ ہے کہ وہ قوم سے یہ کہیں کہ تمام علماء کا احترام کرو - کوئی بھی مسجد سامنے ہو اس میں نماز پڑھو، اختلافات کے باوجود تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی سمجھو، اور اپنی ساری قوتیں جمع کر کے کفر و طاغوت کے عالمی محاذ کے خلاف صرف کرو۔

خوشخبری

ادارہ ہذا نے عوام کی بھرپور مانگ اور اسلامی لٹریچر کو عام آدمی تک پہنچانے کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ کی شہرۂ آفاق تصنیف [illegible] کے دوسرے ایڈیشن کی قیمت میں حیرت انگیز کمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب سیرت سرورِ عالم قسم دوم کی دونوں جلدوں کی قیمت علاوہ محصول ڈاک ۶۰ روپیہ ہوگی۔ عام خریداروں کو اس پر ۲۰ فیصد رعایت بھی دی جائے گی یعنی پیشگی ادائیگی پر ادارہ ہذا سے ۶۴/۰ روپے میں مکمل سیٹ (جلد اول و دوم) دوسرا ایڈیشن [illegible] دستیاب ہوگا۔ بذریعہ ڈاک قیمت ۷۰/۰ روپے ہوگی۔ پیشگی بکنگ شروع ہو چکی ہے۔ جیسے جیسے پیشگی رقوم وصول ہوں گی اسی ترتیب سے ترسیل ہوگی۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ جلد از جلد پیشگی رقوم بھجوا کر شکریہ فرمائیں۔ خریدار حضرات اپنا پتہ مکمل اور صاف لکھیں۔

منجانب :

ناظم ادارہ ترجمان القرآن

اچھرہ لاہور